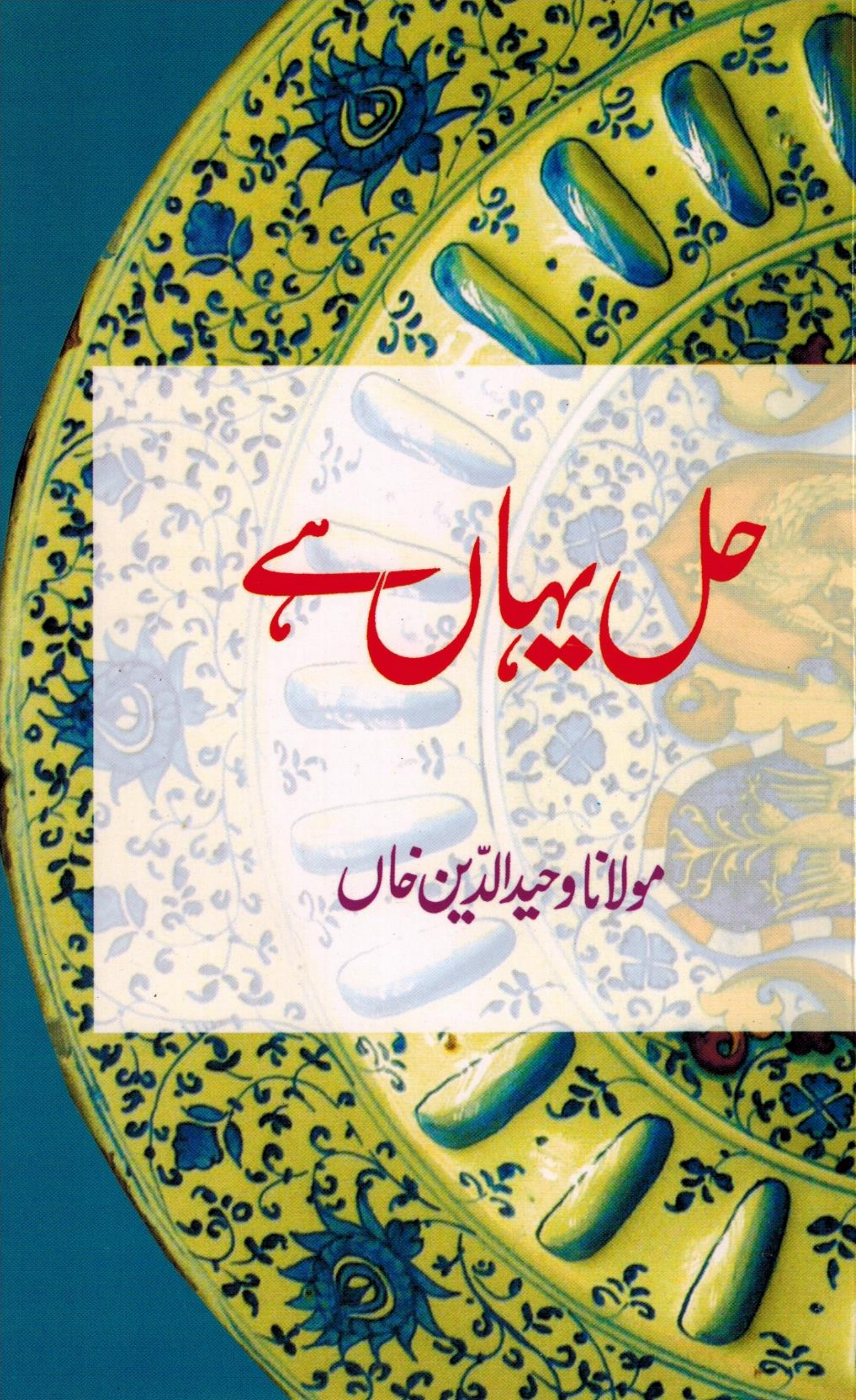


حل یہاں ہے

مولانا وحیدالدّین خاں

حل یہاں ہے

مولانا وحید الدّین خاں

مکتبہ الرسالہ ، نئی دہلی

Hal Yahan Hai
By Maulana Wahiduddin Khan

First published 1985
Reprinted 2012

Goodword Books
1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 9111-4182-7083, 4652-1511
Fax: 9111-4565-1771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com
www.goodword.net

Printed in India

فہرست

آغاز کلام

ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات کے دو پہلو ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق حکومت سے اور اکثریتی طبقہ سے ہے۔ اور دوسرا پہلو وہ جس کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ فسادات میں سیکڑوں آدمی مارے جاتے ہیں۔ کروڑوں روپئے کی جائدایں لوٹی اور جلائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے واضح طور پر یہ امن و نظم کا مسئلہ ہے۔ مگر اتنے بڑے پیمانہ پر جان و مال کا نقصان ہوتا ہے۔ اور کبھی نقصان کرنے والوں کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ ملک کے قانون میں ان جرائم کے لئے باقاعدہ سزائیں مقرر ہیں۔ مگر یہ قانون کاغذ پر پڑا رہتا ہے اور فساد کے مجرمین پر ان کو نافذ نہیں کیا جاتا۔

جس حکومت کی نااہلی کا یہ حال ہو کہ اس کے دائرۂ اختیار میں مسلسل اتنے سنگین جرائم کئے جائیں پھر بھی وہ مجرمین کو سزا دینے میں ناکام رہے، وہ ایسا کر کے خود اپنی موت کے محضر نامہ پر دستخط کر رہی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جو لوگ اتنی بڑی نااہلی دکھائیں وہ ہمیشہ اقتدار سے محروم کر دئے جاتے ہیں۔ زیادہ دیر تک انتظام دنیا کے منصب پر باقی رہنا ان کے لئے مقدر نہیں۔

اکثریتی طبقہ کے پہلو سے سب سے زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا وجہ کہ دو غیر مسلمان بازار میں لڑیں تو کبھی فساد نہیں ہوتا۔ لیکن اگر لڑنے والوں میں ایک مسلمان اور ایک غیر مسلمان ہو تو فوراً فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑتا ہے۔ یہ صورت حال بتاتی ہے کہ یہاں کسی معاملہ کو حق اور ناحق کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ معاملہ اپنے فرقہ کا ہے یا دوسرے فرقہ کا۔ یہ مزاج کسی گروہ کے لئے قاتل ہے۔ قانون قدرت کے مطابق اس قسم کے ظالمانہ مزاج کی سزا ضرور بھگتنی پڑتی ہے، خواہ ایک صورت میں بھگتنی پڑے یا دوسری صورت میں۔

حکومت میں یا اکثریتی فرقہ میں اگر کچھ ایسے لوگ ہوں جو یہ سمجھتے ہوں کہ وہ اس طرح مسلمانوں کو مٹا دیں گے تو یقینی طور پر اس سے زیادہ بڑی بھول اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔

ہندستان میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دس کروڑ ہے۔ تاریخ میں کوئی مثال نہیں کہ اتنی بڑی تعداد کو ظلم و فساد کے ذریعہ مٹا دیا گیا ہو۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے فساد مسلمانوں کی زندگی کی سب سے بڑی ضمانت ہیں۔ کیوں کہ وہ ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں دینے کے بعد

اور زیادہ ابھرنے کا اصول رائج ہے۔ ان تخریب کاروں کی بدقسمتی یہ ہے کہ قانون قدرت ان کی راہ میں حائل ہے۔

آرنلڈ ٹوائن بی نے اپنی کتاب (اسٹڈی آف ہسٹری) میں دنیا کی ۲۱ تہذیبوں کا مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ تہذیبوں کو وجود میں لانے والی ہمیشہ وہ قومیں تھیں جو شکست اور محرومی سے دوچار کی گئیں (مثال کے طور پر مغرب کی مسیحی قومیں صلیبی جنگوں میں ذلت آمیز شکست کے بعد جدید صنعتی تہذیب کی خالق بنیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو محرومی اور شکست میں مبتلا کر کے ان کے خاتمہ کا خواب دیکھ رہے ہیں وہ ایک ایسے نتیجہ کا انتظار کر رہے ہیں جو قانون قدرت کے مطابق ان کے اندازوں کے سراسر خلاف بالکل برعکس صورت میں ظاہر ہونے والا ہے۔

تاہم زیر نظر مجموعہ میں ہمارا خطاب نہ حکومت سے ہے اور نہ اکثریتی فرقہ سے۔ ہمارا خطاب یہاں تمام تر مسلمانوں سے ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ اس تمام معاملہ کا ذمہ دار صرف اپنے آپ کو قرار دیں۔ وہ خود یہ ذمہ داری لیں کہ وہ اس ناگوار صورت حال کو یک طرفہ طور پر ختم کریں گے۔ اور یقیناً بہادر انسانوں کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔

فسادات کو روکنے کی جو تدبیر اس کتابچہ میں درج ہے، راقم الحروف اس کو پچھلے بیس سال سے پیش کر رہا ہے۔ ۶۶-۱۹۶۵ میں ہفت روزہ ندائے ملّت (لکھنؤ) کے کالموں میں۔ ۱۹۶۷ سے ۱۹۷۴ تک ہفت روزہ الجمعیۃ (دہلی) میں اور ۱۹۷۶ سے باقاعدہ طور پر ماہنامہ الرسالہ (نئی دہلی) میں۔ زیر نظر کتابچہ اسی ذیل کی ایک مزید کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔

وحیدالدین

۲۰ جولائی ۱۹۸۴ء

یکطرفہ کارروائی کی ضرورت

ہندستان میں فرقہ وارانہ فسادات کا سبب، خواہ کسی کے نزدیک جو بھی ہو، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ فسادات اگر بند ہوں گے تو صرف اس وقت بند ہوں گے جب کہ مسلمان اپنے حصہ کا فساد بند کریں۔ مسلمان اپنے حصہ کا سبب ختم کر کے دوسرے کو آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے حصہ کا سبب ختم کرے۔ ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات صرف یک طرفہ کارروائی سے بند ہو سکتے ہیں۔ اور یہ یک طرفہ کارروائی بہر حال مسلمانوں کو کرنی ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں یک طرفہ کارروائی پر راضی ہو کر قریش کی فساد انگیزیوں کا سلسلہ ختم کیا تھا۔ اسی طرح ہمیں بھی یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو پابند بنا لینا ہے۔ اگر ہم دوسرے فریق کی طرف سے بندش کی کارروائی کا انتظار کریں تو ایسا انتظار کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

مسلمان فساد کو بند کرنے کے لئے کیا کریں، اس کا جواب صرف ایک ہے —— اشتعال کے باوجود مشتعل نہ ہونا۔ تمام فسادات کا مشترک سبب یہ ہے کہ مسلمان اس راز کو نہیں جانتے کہ زندگی میں کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ جس چیز کو نظر انداز کرنا چاہئے اس پر مسلمان بھڑک اٹھتے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ فساد ہوتا ہے۔

"ہندستان" بالفرض "مسلمستان" ہوتا تب بھی ہم کو یہی کرنا پڑتا۔ کچھ چیزیں ہر ماحول میں لازماً پائی جاتی ہیں جن میں الجھنے کے بجائے ان کو نظر انداز کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان سے الجھنا ان کو اور بڑھانے کے ہم معنی ہے۔ یہ زندگی کی ایک حقیقت ہے۔ اس سے کسی حال میں بچنا ممکن نہیں۔ اسی لئے قرآن میں صبر و اعراض کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

نظر انداز کرنے کے قابل باتوں کو نظر انداز نہ کرنا، یہ وہ غلطی ہے جس میں ہندستان کے مسلمان بھی مبتلا ہیں اور پاکستان کے مسلمان بھی۔ اس کی قیمت دونوں جگہ کے مسلمان شدید ترین صورت میں بھگت رہے ہیں۔ ہندستان کے مسلمان فرقہ وارانہ فساد کی صورت میں اس کی قیمت ادا کر رہے ہیں اور پاکستان کے مسلمان غیر مستحکم سیاسی نظام کی صورت میں۔

ہندستان کے مسلمانوں کے لئے فسادات کا واحد ڈاٹ یہی اعراض ہے۔ مسلمان اگر اس ڈاٹ کو استعمال کریں تو ایک دن میں تمام فسادات بند ہو جائیں۔ اور اگر مسلمان اس طریقہ پر راضی نہ ہوں

تو موجودہ تدبیروں سے آئندہ پچاس سال تک بھی فسادات بند نہ ہوں گے جس طرح پچھلے پچاس سال میں اس قسم کی تدبیروں کے باوجود فسادات بند نہیں ہوئے ہیں۔

ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات پر جب کوئی مسلمان بات کرتا ہے تو وہ ہمیشہ ایک ہی چیز کی کوشش کرتا ہے ــــــ خالص قانونی اور منطقی جائزہ لے کر یہ دیکھنا کہ کون فریق حق پر ہے اور کون فریق ناحق پر۔ یہ طریقہ سراسر غلط ہے۔ کیوں کہ بعض امور وہ ہوتے ہیں جن میں حق اور ناحق نہیں دیکھا جاتا بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا واقعی حل کیا ہے۔

حدیبیہ کے مقام پر جب مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو آپ نے اس کا مضمون املا کراتے ہوئے کاتب سے کہا:

اکتب هذا ما قاضی علیه محمد رسول اللہ ۔۔۔

(لکھو کہ یہ وہ ہے جو محمد اللہ کے رسول نے فیصلہ کیا) قریش کے نمائندہ (سہیل بن عمرو) نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ آپ صرف محمد بن عبد اللہ لکھئے۔ کیوں کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے۔ آپ نے فوراً کاتب سے کہا کہ اکتب محمد بن عبد اللہ (محمد بن عبد اللہ لکھو)۔

اگر آپ اس کو حق اور ناحق کا معاملہ بناتے تو کبھی اس مطالبہ کو ماننے پر راضی نہ ہوتے خواہ سارے مسلمان وہیں کٹ کر مر جائیں۔ مگر آپ نے اس کو حق اور ناحق کا مسئلہ نہیں بنایا بلکہ صرف اس کے عملی پہلو کو دیکھا چوں کہ اس وقت عملی طور پر اس کے سوا کوئی حل نہیں تھا اس لئے رسول اللہ کا لفظ چھوڑ کر صرف محمد بن عبد اللہ کا لفظ لکھنے پر راضی ہو گئے۔

فسادات کا مسئلہ بھی یقینی طور پر اسی قسم کے مسائل میں سے ہے۔ مذکورہ بالا سنت رسول کے مطابق ہمارے اوپر لازم ہے کہ اس میں حق اور ناحق کی بحث نہ کریں بلکہ صرف یہ دیکھیں کہ اس کا عملی حل کیا ہے۔ اور عملی طور پر اس کا جو ممکن حل ہے اس کو اختیار کر لیں۔ اگر مسلمان اس معاملہ میں حق اور ناحق کی بحث نہ چھوڑیں تو یقینی طور پر یہ ان کی نفسانیت کا ثبوت ہو گا نہ کہ حق پرستی کا۔ کیوں کہ حق پرستی خدا کے رسول کی سنت کو اختیار کرنے میں ہے نہ کہ کسی دوسرے طریقہ کو اختیار کرنے میں۔

مسلمان موجودہ زمانہ میں ہر جگہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ کر برباد ہوتے رہے ہیں۔ ایسا کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جہاد کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کے واقعات صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے سامنے کوئی بڑا مقصد نہیں۔ جس کے سامنے بڑا مقصد ہو وہ ہمیشہ چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ مسلمانوں نے چونکہ مقصدیت کھودی ہے اس لئے وہ برداشت بھی کھوئے ہوئے ہیں۔ بے مقصد گروہ بن جانے کی بنا پر

اب ان کے اندر یہ طاقت باقی نہیں رہی کہ وہ چھوٹی چھوٹی ناگواریوں کو بھلادیں تاکہ وہ بڑے نشانہ کے لئے اپنی کوششوں کو جاری رکھ سکیں۔

ہندستان کے فسادات مسلمانوں کے دینی بگاڑ کی قیمت ہیں۔ خدا کا بھیجا ہوا دین اگرچہ ایک ہے مگر مسلمانوں کی عملی زندگی میں آکر اسلام کی دو قسمیں بن جاتی ہیں۔ ایک فخر والا اسلام۔ دوسرا تواضع والا اسلام۔ دینی بگاڑ دراصل اسی فخر والے اسلام کا دوسرا نام ہے۔

مسلمان جب سچے اسلام پر ہوتے ہیں تو ان کے اندر تواضع والا اسلام پرورش پاتا ہے۔ اللہ کا ڈر ان سے بڑائی کا مزاج چھین لیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے غیر ضروری ٹکراؤ اپنے آپ ختم ہو جاتے ہیں۔ دوسری قومیں جب قرآن کے الفاظ میں، حمیۃ جاہلیہ کا مظاہرہ کرتی ہیں تو ان کا تقویٰ انھیں سراپا تواضع بنا دیتا ہے۔ حمیت جاہلیۃ کی آگ کے لئے مسلمانوں کا تقویٰ پانی کا کام کرتا ہے اور فساد ختم ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس جب مسلمانوں کے اندر سے تقویٰ رخصت ہو جائے تو ان کے اندر فخر والا دین ابھرتا ہے۔ فخر والا اسلام آدمی کے اندر بڑائی کی نفسیات پیدا کرتا ہے۔ اسی نفسیات کا نتیجہ وہ تمام اختلافات ہیں جو آج مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ جب ہر آدمی اپنے کو بڑا سمجھنے لگے تو اتحاد ممکن نہیں۔ اتحاد کا واحد راز یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنے آپ کو چھوٹا کرنے پر راضی ہو جائیں۔ مگر جہاں ہر آدمی اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہو وہاں اتحاد کیسے پیدا ہوگا۔

یہی فخر اور بڑائی کی نفسیات جب دوسری قوموں کے مقابلہ میں آتی ہے تو وہ فساد کا سبب بن جاتی ہے۔ دوسری قوموں کے لئے ان کا مذہب یا ان کی قومی تہذیب ہمیشہ فخر ہی کی چیز ہوتی ہے۔ اب اگر مسلمانوں کے لئے بھی ان کا دین فخر کی چیز بن جائے تو دونوں کا نباہ مشکل ہو جائے گا۔ کیوں کہ دو فخر کبھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ آپ آگ کو پانی سے ٹھنڈا کر سکتے ہیں مگر آگ کو آگ سے ٹھنڈا نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمانوں سے اگر باہمی اختلاف اور دوسری قوموں سے فساد کو ختم کرنا ہے تو مسلمانوں کے اندر سے فخر والا اسلام ختم کرنا ہوگا۔ اور اس کے بجائے ان کے اندر تواضع والا اسلام لانا ہوگا۔ اگر مسلمان اس پر راضی نہیں ہیں تو انھیں دوسروں کو ملزم ٹھہرانے کا سلسلہ بھی ختم کر دینا چاہئے کیوں کہ دوسروں کی طرف سے ان کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ اسی بگڑے ہوئے دین کی قیمت ہے جس پر وہ اپنے دور زوال میں آج قائم ہیں۔

بنیادی بات

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ تم کو جو بھی دکھ پیش آتا ہے وہ خود تمھارے سبب سے ہوتا ہے (وما اصابك من سيئة فمن نفسك، النساء ۷۹) دوسری جگہ بتایا گیا ہے کہ تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ خود تمھارے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے (وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم، الشوریٰ ۳۰)

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کا نظام خدا نے اس طرح بنایا ہے کہ یہاں کسی کو دوسرے کے اوپر کوئی اختیار نہیں۔ یہاں ہر آدمی یا ہر گروہ خود اپنے ہی عمل کا انجام بھگتتا ہے۔ آدمی پر جب بھی کوئی مصیبت پڑے تو اس کو چاہئے کہ اس کا سبب وہ باہر نہ تلاش کرے۔ بلکہ خود اپنے اندر ڈھونڈ کر نکالے۔ کیوں کہ اس کا سبب یقینی طور پر خود اس کے اپنے اندر موجود ہوگا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی دو واضح مثالیں موجود ہیں۔ ایک غزوۂ احد (۳ ھ) کی شکست اور دوسرے غزوہ حنین (۸ ھ) میں پیش آنے والا زبردست نقصان۔ قرآن میں ان دونوں غزوات کا ذکر ہے اور دونوں میں یہ انداز ہے کہ اسلام دشمنوں کے خلاف احتجاج کرنے کے بجائے خود مسلمانوں پر اس کی پوری ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔

احد کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ تمہاری کمزوری، تمہارا آپس کا اختلاف اور تمہارا مرکزی قیادت کی نافرمانی کرنا، یہ اسباب تھے جنھوں نے تم کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں شکست سے دوچار کیا (آل عمران ۱۵۲) اسی طرح حنین کے بارہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اس موقع پر تم کو جس بربادی سے سابقہ پیش آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ تمہارے اندر گھمنڈ پیدا ہوگیا۔ یہاں بھی سبب مسلمانوں کے اپنے اندر بتایا گیا نہ کہ ان کے باہر (التوبہ ۲۵)

ان دونوں حادثات میں پوری طرح یہ ممکن تھا کہ ان کی ساری ذمہ داری قریش پر ڈالی جاتی اور ان کو یک طرفہ طور پر برا بھلا کہا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جب ان حادثات پر تبصرہ کیا تو ان کی ساری ذمہ داری صرف مسلمانوں کے اوپر ڈال دی۔ یہ مثال ہمیشہ کے لئے بتا رہی ہے کہ اس طرح کے معاملات میں مسلمانوں کا ذہن کیا ہونا چاہئے۔ یہ کہ وہ دوسروں کی سازشوں کا انکشاف کرنے کے بجائے خود اپنا احتساب کریں۔ وہ اپنی کمزوریوں کو دور کرکے اپنے حریف کے اوپر فتح حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اس موضوع کی مزید وضاحت کے لئے یہاں ہم خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا ایک مکتوب نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے ایک ماتحت افسر کے نام روانہ کیا تھا :

یروی ان عمر بن عبد العزیز بعث برسالۃ الیٰ منصور بن غالب حین بعثہ علی قتال اھل الحرب جاء فیھا : ھٰذا ما عھد بہ عبد اللہ (عمر بن عبد العزیز) امیر المومنین الیٰ منصور بن غالب حین بعثہ الیٰ قتال اھل الحرب ۔ امرہ فی ذالک بتقوی اللہ علی کل حال نزل بہ من امر اللہ تعالیٰ فان تقوی اللہ من افضل العدۃ و ابلغ المکیدۃ و اقوی القوۃ و امرہ الا یکون من شئی من عدو اشد احتراسا منہ لنفسہ ومن معہ من معاصی اللہ فان الذنوب اخوف عندی علی الناس من مکیدۃ عدوھم وانما نعادی عدونا و ننتصر علیھم بمعصیتھم ولولا ذالک لم یکن لنا قوۃ بھم لان عددنا لیس کعددھم ولا عدتنا کعدتھم فلو استوینا نحن وھم فی المعصیۃ کانوا افضل منا فی القوۃ والعدد فان لا ننتصر علیھم بحقنا لا نغلبھم بقوتنا و لا تکونوا لعداوۃ احد من الناس احذر منکم لذنوبکم ۔

روایت ہے کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے منصور بن غالب کے نام ایک خط روانہ کیا جب کہ انھوں نے ان کو اہل حرب کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا ۔ اس میں لکھا کہ تم ہر حال میں تقویٰ پر قائم رہو ۔ کیونکہ اللہ کا تقویٰ (ڈر) سب سے بہتر تیاری اور سب سے کامیاب تدبیر ہے اور سب سے بڑی قوت ہے ۔ دشمن سے بچنے کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز اپنے گناہوں سے بچنا ہے ۔ کیوں کہ گناہ میرے نزدیک دشمن کی چالوں سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے ۔ ہم دشمنوں پر ان کی گنہ گاری کی وجہ سے کامیاب ہوتے ہیں ۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہم کو کوئی قوت ان کے اوپر نہ رہے ۔ کیوں کہ ان کی تعداد اور ان کی تیاری ہم سے زیادہ ہے ۔ پھر اگر ہم اور وہ دونوں گنہ گاری میں برابر ہو جائیں تو وہ ہم سے طاقت اور تعداد میں برتر ہو جائیں گے ۔ ایسی حالت میں ہم اپنی موجودہ قوت کے ساتھ ان پر کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ اور تم کسی کی عداوت سے جتنا ڈرتے ہو اس سے بھی زیادہ خود اپنے گناہ سے ڈرو ۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کی ان نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کی ناکامی کا سبب ہمیشہ اس کے اپنے اندر ہوتا ہے نہ کہ اس کے باہر ۔

بنیادی بات یہ ہے کہ یہ دنیا خدا کی دنیا ہے نہ کہ انسان کی دنیا ۔ یہاں انسان کو صرف اپنے آپ پر اختیار حاصل ہے ۔ کسی بھی فرد یا قوم کو کسی دوسرے فرد یا قوم کے اوپر کوئی اختیار حاصل نہیں ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جب بھی کسی کو کچھ ملتا ہے تو وہ اس کو خدا کی طرف سے ملتا ہے ۔ خواہ بظاہر وہ کسی اور کے ذریعہ اسے پہنچا ہو ۔ اسی طرح یہاں جب بھی کسی سے کچھ چھنتا ہے تو وہ خدا کی طرف سے چھنتا ہے ، خواہ بظاہر اس کا چھیننے والا کوئی دوسرا دکھائی دیتا ہو ۔ اس لئے عقلمند وہ ہے جو دونوں حالتوں

میں خدا کی طرف رجوع کرے۔

مسلمانوں کو موجودہ زمانہ میں دوسری قوموں سے جس ظلم کا تجربہ ہو رہا ہے اس کے سلسلے میں عام طور پر وہ ایک ہی کام کرنے میں مشغول ہیں۔ اور وہ ہے "ظالم قوموں" کے خلاف چیخ و پکار۔ یہ سراسر غیر اسلامی طریقہ ہے۔ جب ہر ہونے والا واقعہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے تو یقیناً یہ واقعہ بھی خدا کی طرف سے پیش آرہا ہے۔ اس لئے اس کا تاثر صرف یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان اللہ کی طرف رجوع ہوں۔ وہ یہ جاننے کی کوشش کریں کہ خدا کے معاملہ میں ان سے کون سی کوتاہی ہوئی ہے جس کی انھیں یہ سزا مل رہی ہے۔ تاکہ اپنی کوتاہی کی اصلاح کر کے وہ دوبارہ اپنے آپ کو خدا کی عنایات کا مستحق بنا سکیں۔

اگر آپ پر پتھر اوپر کی طرف سے آرہے ہوں اور آپ اس کا سبب نیچے کی طرف تلاش کرنے لگیں تو آپ کبھی بھی اپنے آپ کو پتھر کی بارش سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

قدرت کا سبق

جانوروں کے دو سب سے بڑے مسئلے ہیں۔ غذا اور دفاع۔ جانوروں میں ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں اور ہر جانور کو مستقل طور پر اپنے بچاؤ کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ جانوروں میں اپنے بچاؤ کے جو طریقے رائج ہیں وہ انسان کے لئے بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حیوانات کا طریقہ دراصل قدرت کا طریقہ ہے۔ حیوانات جو کچھ کرتے ہیں اپنی جبلت کے تحت کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر، وہ براہ راست قدرت کے سکھائے ہوئے ہیں۔ جانور گویا قدرت کے مدرسہ میں تربیت پائے ہوئے طالب علم ہیں۔ ان کا عمل قدرت کا بتایا ہوا سبق ہے۔ ان کے طریق کار کو پیدا کرنے والے کی تصدیق حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ہاتھی اور شیر جنگل کے دو سب سے بڑے جانور ہیں۔ اگر دونوں میں ٹکراؤ ہو جائے تو یہ ٹکراؤ دونوں کے لئے مہلک ہوتا ہے، ہاتھی اور شیر دونوں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کترا کر نکل جائیں۔ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ دونوں یہ نوبت آنے دیں کہ ان کے درمیان براہ راست جنگ شروع ہو جائے۔ دو ایسے حریفوں کی جنگ جن میں دونوں میں سے کوئی دوسرے کو فنا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو ہمیشہ دو طرفہ تباہی پر ختم ہوتی ہے۔ اور شیر اور ہاتھی اپنی زندگی میں اس کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔

۲۔ یہی معاملہ سانڈ کا ہے۔ دو سانڈ (بھینسے یا بیل) اگر ایک دوسرے سے لڑ جائیں تو اس کا بہت کم امکان ہے کہ ایک دوسرے کو ختم کر دے۔ سانڈ ایسے بے فائدہ ٹکراؤ سے بچنے کے لئے یہ تدبیر کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے حدود بانٹ لیتے ہیں۔ دو سانڈ ایک علاقہ میں پہنچ جائیں تو چلتے چلتے جب کسی مقام پر دونوں کی مڈبھیڑ ہوتی ہے تو دونوں ایک دوسرے کو سینگ مار کر علامتی طور پر اظہار کرتے ہیں کہ یہاں سے ایک طرف تمہارا علاقہ ہے اور یہاں سے دوسری طرف میرا علاقہ۔ اس علامتی ٹکراؤ کے بعد دونوں اپنے پیچھے کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور اس کے بعد دونوں مکمل طور پر اس سرحدی تقسیم کی پابندی کرتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دو سانڈ آپس میں لڑ جائیں۔

۳۔ آپ نیلی گھوڑی یا بیر بہوٹی کو چھوئیں تو وہ پاؤں سمیٹ کر بے حس و حرکت زمین پر پڑ جائے گی۔ بہت سے جانوروں کے لئے اپنے دشمن سے بچنے کا یہ آسان طریقہ ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ دشمن سر پر آ گیا ہے اور اس سے بھاگنا ممکن نہیں ہے تو وہ اپنے کو بے حس و حرکت بنا لیتے ہیں۔ ان کا دشمن ان کو دیکھتا ہے مگر وہ مردہ سمجھ کر ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اپنے کو غیر موجود ظاہر کر کے اپنے کو دشمن سے بچا لیتے ہیں اور جب دشمن ہٹ جاتا ہے تو بھاگ جاتے ہیں۔

۴۔ جو جانور بلوں کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے ہمیشہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ ان کا دشمن ان کی بل کے اندر گھس جائے اور دشمن سے وہ اس طرح گھر جائیں کہ بل کے محدود رقبہ کی وجہ سے وہ بھاگ نہ سکیں۔ چنانچہ بل والے جانور ہمیشہ اپنی بل میں ایک عقبی گزرگاہ رکھتے ہیں جو ہنگامی حالات میں کام آ سکے۔ جب بھی کوئی جانور دیکھتا ہے کہ سامنے کے سوراخ سے اس کا دشمن اس کے گھر میں گھس آیا ہے، وہ پیچھے کے سوراخ سے نکل کر باہر بھاگ جاتا ہے اور

دشمن کی زد سے اپنے کو بچا لیتا ہے۔

۵۔ ایک بہت چھوٹا کیڑا ہے۔ وہ اپنے حریف کیڑے کو ختم کرنے کے لئے بہت دلچسپ طریقہ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے حریف کیڑے کے جسم میں اپنا ڈنک چبھاتا ہے جو انجکشن کی سوئی کی مانند ہوتا ہے یعنی نکیلا اور اندر سے سوراخ دار۔ وہ نہایت پھرتی سے اپنے بے حد چھوٹے انڈے کو اس کے جسم میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ انڈا جو دراصل زندہ بچے کی ابتدائی صورت ہوتی ہے، اپنے میزبان جانور کے جسم کا اندرونی حصہ کھاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ لاروا (چھوٹے بچہ) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اب یہ لاروا باہر نکلنے کے لئے زور کرتا ہے۔ میزبان جانور کے لئے یہ سخت ترین لمحہ ہوتا ہے مگر وہ ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پاتا ہے جو خود اس کے پیٹ میں گھسا ہوا ہو۔ اس طرح لاروا زور کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے میزبان جانور کے جسم کو پھاڑ کر باہر آ جاتا ہے۔ یہ عمل اتنا شدید ہوتا ہے کہ اس کے بعد میزبان جانور کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

قدرت کے تربیت یافتہ حیوانات میں بچاؤ کے جو طریقے رائج ہیں وہی انسان کے لئے بھی پوری طرح کار آمد ہیں۔ انسان کے لئے بھی اپنے حریف کے مقابلہ میں بہترین تدبیر یہ ہے کہ وہ براہ راست تصادم سے بچے اور کترا کر نکلنے کی کوشش کرے۔ حریف کو کبھی یہ محسوس کرنے کا موقع نہ دیا جائے کہ آپ اس کے دائرہ میں مداخلت کر رہے ہیں۔ اگر حریف کا سامنا ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں اپنے کو غیر فعال ظاہر کر کے اپنے کو اس کی زد سے ہٹا لیا جائے یا اپنے دائرہ میں سمٹ کر اس کو یہ احساس دلایا جائے کہ میری وجہ سے تمہارا کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں۔ اسی کے ساتھ ایسی تدبیروں کا اہتمام کیا جائے جن کے ذریعہ ہنگامی حالات میں دشمن کا وار خالی دیا جا سکے۔ اور اگر حریف کے خلاف کارروائی کرنا ضروری ہو تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ حریف کے اپنے "جسم" میں اس کا ایک "عدو" داخل کر دیا جائے جس کی غذا حریف کا جسم ہو۔ وہ اس کو خاموشی کے ساتھ کھاتا رہے، یہاں تک کہ اندر ہی اندر دشمن کا خاتمہ کر دے۔

جانوروں نے اپنے بچاؤ کے یہ اصول خود نہیں بنائے، وہ ان کو خدا نے سکھائے ہیں۔ ان طریقوں کو خدا وندی تصدیق حاصل ہے۔ پھر یہ کہ جانوروں کی دنیا میں اس قسم کی دفاعی تدبیریں کسی "بزدلی" کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ خالص حقیقت پسندی کی بنا پر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ غیر ضروری ٹکراؤ سے بچ کر اپنی "خود تعمیری" کے عمل کو جاری رکھا جائے۔ کوئی جانور چارہ کی تلاش میں جا رہا ہے۔ کوئی اپنے جوڑے سے ملنے کے لئے سفر کر رہا ہے۔ کوئی اپنا گھر بنانے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ کسی کو اپنے بچوں کی پرورش کرنے کے لئے موقع درکار ہے۔ ایسی حالت میں اس کی اپنے دشمن سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ اب اگر جانور اپنے حریف سے لڑائی شروع کر دے تو اس کا اپنی تعمیر کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جانور حریف کے براہ راست تصادم سے گریز کرتا ہے، الا یہ کہ وہ مجبوراً اس میں گرفتار ہو جائے۔ وہ اپنے تعمیری کام کو جاری رکھنے کی خاطر تصادم سے بچ کر نکل جاتا ہے ——— یہ طریقہ جو حیوانات جبلت کے تحت اختیار کرتے ہیں وہی انسان کو شعوری طور پر انجام دینا ہے۔

پتھر سے پانی

روس کے کچھ ماہرین نے تجربہ کرکے بتایا ہے کہ پتھر کو نچوڑ کر اس سے پانی نکالا جاسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ زمین کے چند میٹر نیچے سے پتھر کی چٹان کا ایک ٹکڑا کاٹ کر نکالئے اور اس کو دھات کے گلاس میں رکھئے۔ پھر اس کے اوپر دس ٹن فی مربع سنٹی میٹر کے حساب سے دباؤ ڈالئے۔ اس کے بعد پتھر سے سیال پانی کے قطرے ٹپکنا شروع ہوجائیں گے۔

یہ قدرت کی ایک نشانی ہے جو ہم کو سبق دیتی ہے کہ اس دنیا میں ہمارے لئے کیا کیا امکانات رکھ دئے گئے ہیں۔ "پتھر" ایک خشک چیز ہے۔ مگر پتھر جیسی خشک چیز بھی اس وقت پانی ٹپکانے لگتی ہے جب کہ اس کو استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ وہ عمل کیا جائے جو مطلوب ہے۔ ایک مسلمان نے شہر میں اپنا مکان بنایا۔ ان کے قریب ہی ایک اور شخص نے گھر بنایا جو کہ دوسرے فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ایک ٹھیکہ دار آدمی تھا اور بہت تیز تھا۔ مسلمان کے گھر اور ٹھیکہ دار کے گھر کے درمیان ایک زمین تھی جس کے بارے میں دونوں میں جھگڑا شروع ہوگیا ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ یہ زمین میری ہے۔ ٹھیکہ دار نے دیکھا کہ وہ تنہا اپنا مطالبہ منوانے میں کامیاب نہیں ہو رہا ہے، وہ شہر کے فرقہ پرست عناصر کے پاس گیا اور ان کو خوب ورغلایا۔ یہاں تک کہ ایک روز فرقہ پرستوں کی ایک بھیڑ مسلمان کے مکان کے سامنے جمع ہوگئی اور شر انگیز نعرے لگانے لگی۔

مسلمان اپنے گھر سے باہر نکلا تو صورت حال کا اندازہ کرنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ یہ لوگ شر پسندی پر آمادہ ہیں اور اگر ذرا سی بھی کوئی اشتعال انگیز بات ہوئی تو جلانے اور پھونکنے کی سطح پر اتر آئیں گے۔ اس نے کہا، آپ میں نمائندہ کون لوگ ہیں، وہ باہر آجائیں تاکہ ان سے بات کی جاسکے۔ چنانچہ چار پانچ لیڈر قسم کے آدمی سامنے آگئے۔ مسلمان ان کو اپنے دفتر میں لے گیا۔ جب وہ لوگ سکون کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھ گئے تو اس نے کہا کہ بات بہت مختصر سی ہے اور اس کا فیصلہ بہت آسانی سے ہوسکتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ دیکھئے زمین کاغذ پر ہوتی ہے زمین کا فیصلہ کاغذ کو دیکھ کر کیا جاتا ہے، جو کاغذات میرے پاس ہیں وہ میں آپ کو دے دیتا ہوں۔ اور جو کاغذات ٹھیکہ دار صاحب کے پاس ہیں وہ بھی آپ ان سے لے لیں۔ آپ دونوں کاغذات کو دیکھ لیجئے۔ اس کے بعد آپ جو فیصلہ کریں وہی مجھ کو منظور ہے، یہ سنتے ہی فرقہ پرست لیڈروں کا ذہن بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ ہر ایک نے کہا کہ "یہ تو بہت معقول آدمی ہیں۔ یہ سارا فیصلہ خود ہمارے حوالے کر رہے ہیں" اس کے بعد انھوں نے چند دن کاغذات دیکھنے میں گزارے اور بالآخر خود مسلمان کے حق میں زمین کا فیصلہ کردیا —— فرقہ پرست عناصر ابتداءً پتھر تھے۔ مگر مسلمان نے جب ان کے اوپر معقولیت کا دباؤ ڈالا تو پتھر سے پانی ٹپکنا شروع ہوگیا

ایک عالم نفسیات کا قول ہے کہ جب کسی شخص کی خودی کو چھیڑا جائے تو وہ برتر خودی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ فساد ہوتا ہے :

When one's ego is touched, it turn into super-ego, and the result is break-down.

حقیقت یہ ہے کہ ہر آدمی کے اندر ایک "شیطان" موجود ہے۔ عام حالات میں وہ سویا رہتا ہے۔ آپ کی عقل مندی یہ ہے کہ آدمی کے اس شیطان کو سویا رہنے دیں۔ لیکن اگر آپ نے نادانی کی تو اس کا شیطان جاگ اٹھے گا اور پھر وہ آپ کے خلاف وہ سب کچھ کر ڈالے گا جو اس کے بس میں ہے۔

اس قسم کی نادانی کا خمیازہ آدمی کو ہمیشہ بھگتنا پڑتا ہے، خواہ اس نے یہ نادانی کسی غیر قوم کے فرد کے ساتھ کی ہو یا خود اپنی قوم کے فرد کے ساتھ۔ حتیٰ کہ اپنے بھائی یا رشتہ دار سے بھی اگر آدمی ایسی نادانی کرے اور اس کے سوئے ہوئے شیطان کو جگا دے تو اس سے بھی اس کو وہی سب بھگتنا پڑے گا جو عام حالات میں اس کو صرف غیروں سے بھگتنا پڑتا ہے۔

سابق حاملین کتاب

یہود ماضی میں خدا کی کتاب کے حامل بنائے گئے تھے۔ یہود کے ماضی میں امت مسلمہ کے مستقبل کے لئے سبق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ابتدائی سورتوں میں کثرت سے یہود کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ بگاڑ کی جو صورتیں یہود کے ساتھ پیش آئیں وہ سب کی سب مسلمانوں کے ساتھ بھی پیش آئیں گی۔ لتتبعنّ سنن من کان قبلکم شبراً بشبر وذراعاً بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب لتبعتموھم (بخاری ومسلم)

حقیقت یہ ہے کہ جو قومیں خدا کی کتاب کی حامل بنائی جاتی ہیں، ان کا کیس ہمیشہ یکساں ہوتا ہے۔ ان کی کامیابی کا بھی ایک ہی اصول ہے اور ان کی ناکامی کا بھی ایک ہی اصول۔ اس اعتبار سے یہود کی تاریخ ہر اس قوم کی تاریخ ہے جو خدا کی کتاب کی حامل بنائی جائے۔ اس میں مسلمانوں کے لئے بھی اتنا ہی سبق ہے جتنا خود یہود کے لئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل (یہود) پر خدا کے انعامات کا جو آغاز ہوا تھا، اس کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ انھیں خدا کی مدد سے یہ موقع ملا کہ انھوں نے فلسطین میں داخل ہو کر پورے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یہود کی تاریخ مسلسل اتار چڑھاؤ کی تاریخ ہے۔ نیک عملی پر انعام اور بدعملی پر سزا۔

سموئیل نبی کے زمانہ میں یہود کی خود مختار اور متحدہ سلطنت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سلطنت ان کے تینوں حکمرانوں (طالوت، داؤد، سلیمان) کے زمانہ تک رہی جن کا مشترک دور ۱۰۲۰ ق م سے لے کر ۹۲۶ ق م تک ہے۔

حضرت سلیمان کے بعد فلسطین کی سلطنت دو الگ الگ حصوں (اسرائیل اور یہودیہ) میں تقسیم ہو گئی۔ ان کا دینی بگاڑ اور سیاسی اختلاف بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ نویں صدی قبل مسیح میں ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اشوری حکمرانوں نے فلسطین پر حملے شروع کئے اور بالآخر سلطنت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا۔

۶۰۴ ق م میں بابل (عراق) کا حکمراں بنوخذنصر اٹھا اور شام پر قبضہ کر کے فلسطین کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اس کے خوف سے یہودیہ (فلسطین) کا اسرائیلی بادشاہ یہویاکم اس کو خراج دینے پر مجبور ہو گیا۔ تاہم کچھ عرصہ بعد یہویاکم کے دماغ میں آیا کہ مصر کا ساتھ دینا اس کے لئے زیادہ مفید ہو گا۔ چنانچہ اس نے شاہ بابل

سے بغاوت کر دی اور اس کو خراج دینا بند کر دیا۔

اس کے نتیجہ میں شاہ بابل اسرائیل پر غضب ناک ہو گیا اور فلسطین پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس درمیان میں یہویاکم کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا یہوخیم تخت پر بیٹھا۔ بابل کی فوجوں نے فلسطین پر حملہ کر کے اس کو زیر کر لیا اور شاہ یہوخیم کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔ بابل کے حکمراں نے فلسطین کی یہودیہ سلطنت کا نیا انتظام اس طرح کیا کہ سابق شاہ کے چچا زدکیاہ کو اپنا ماتحت عامل مقرر کر دیا۔

اس وقت بنی اسرائیل میں یرمیاہ نبی اٹھے۔ انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم لوگ حقیقت سے نہ لڑو اور موجودہ سیاسی نظام کو تسلیم کر لو۔ اور حکومت سے ٹکراؤ کا طریقہ چھوڑ کر دینی اور تعمیری انداز میں کام کرو۔ مگر بنی اسرائیل کے اندر جھوٹے لیڈر اٹھے۔ انھوں نے جذباتی تقریریں کیں اور رومانی اشعار سنائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل جھوٹی خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ وہ حقیقت پسندی کا طریقہ نہ اختیار کر سکے۔ ان کا بادشاہ زدکیاہ بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بابل کے حکمراں بنو خذنصر نے دوبارہ فلسطین پر حملہ کر دیا۔ کئی مہینے کے محاصرہ کے بعد اس نے یروشلم کو اور یہودیوں کے عبادت خانہ کو بالکل تباہ کر ڈالا۔ یہ واقعہ ۵۸۷ ق م میں پیش آیا۔

شاہ زدکیاہ نے اس کے بعد بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر وہ پکڑا گیا اور دوسرے بہت سے اعیان و اکابر کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ بے شمار اسرائیلی پکڑ کر بابل لے جائے گئے تاکہ وہ بابلیوں کے لئے بیگار کا کام کر سکیں۔

یہودی (جو دور قدیم کے مسلمان تھے) ان کے ساتھ پچھلی تاریخ میں کثرت سے اس طرح کے شدید واقعات پیش آئے ہیں۔ وہ لوگ بطور خود ان واقعات کو ظالموں کے ظلم کے خانہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ مگر خدا کے نزدیک ان واقعات کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ وہ ان تمام واقعات کو خود یہودیوں کے خانہ میں ڈالتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ یہودیوں کے اپنے بگاڑ کے نتیجہ میں پیش آنے والی خدائی سزائیں ہیں نہ کہ حقیقۃً ظالم کا ظلم۔

اس سلسلہ میں یہود کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دور زوال میں ان کے یہاں ایسا ہوا کہ کثرت سے خوش خیال قائدین کھڑے ہو گئے۔ ایسے لوگوں کو بائبل میں "جھوٹی نبوت کرنے والے" کہا گیا ہے۔ بائبل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ یہود کی تاریخی عظمت بیان کر کے انھیں جھوٹے فخر کی شراب پلاتے۔ وہ مبالغہ آمیز انداز میں یہود کی حیثیت کو بڑھاتے اور ان کے دشمنوں کو گھٹاتے۔ وہ جذباتی الفاظ بول کر انھیں خیالی دنیا میں مگن رکھتے۔ اس کی وجہ سے یہ ہوا کہ

یہود حقیقت پسندی سے بہت دور ہو گئے۔ وہ حقیقی عمل کے بجائے جذباتی کارروائیوں سے نتیجہ کی امید کرنے لگے۔

عین اسی زمانہ میں خدا نے ایسے افراد اٹھائے جو بائبل کے الفاظ میں "سچی نبوت کرنے والے" تھے۔ انھوں نے یہود کو حقیقت پسندی کا سبق دیا۔ ان کی اندرونی کمزوریوں سے ان کو باخبر کیا۔ ان کو بتایا کہ تم کو تمھارے جھوٹے فخر سے کچھ ملنے والا نہیں۔ خدا کی دنیا میں حقیقی عمل کی قیمت ہے نہ کہ جھوٹے فخر اور خوش خیالیوں کی۔ مگر یہود کو ان کی باتیں پسند نہ آئیں۔ وہ انھیں کے پیچھے چل پڑے جو ان کو جھوٹی امیدیں دلاتے تھے۔ اور ان کو خوش خیالیوں میں مبتلا رکھتے تھے۔ اس بنا پر وہ بار بار اپنے حریف کے خلاف ایسے اقدامات کرتے رہے جس کا نتیجہ صرف ان کی شکست اور مزید ذلت تھی۔

یہود کی تاریخ کی یہ تفصیلات بائبل کی کتاب یرمیاہ (باب ۲۷۔ ۳۰) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان تفصیلات کے مطالعہ سے واضح طور پر حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ دور زوال میں یہود پر بار بار جو تباہیاں آئیں ان کی مکمل ذمہ داری خود یہود پر ڈالی گئی ہے۔ ان صفحات میں دوسری قوموں کے ظلم اور سازشوں پر ان کو برا بھلا نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ خود یہود کو نصیحت کی گئی ہے کہ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہو رہا ہے کہ تم نے اپنے خدا کو ناراض کر لیا ہے۔ یہ خداوندی تنبیہہ ہے نہ کہ انسانی فساد۔ تم سارا اہتمام اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے کرو اور پھر تمھارا کھویا ہوا مقام تمھیں دوبارہ حاصل ہو جائے گا۔ گویا موجودہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا راز خدائی قانون میں تلاش کرنا چاہئے نہ کہ انسانی سازشوں میں۔

۲۔ زوال کے زمانہ میں "مجاہدانہ اقدام" سے صراحۃً روکا گیا ہے۔ ان کو تاکید کی گئی ہے کہ غالب قوم سے موافقت کر کے رہو۔ دوسروں سے ٹکرانے کے بجائے صرف اپنی تعمیر میں لگ جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض حالات میں داخلی تعمیر کا نام جہاد ہوتا ہے نہ کہ خارجی اقدام کرنے کا۔

۳۔ تنزل کے دور میں یہود کے اندر ایسے شاعر اور خطیب پیدا ہوئے جو انھیں قومی عظمت کے ترانے سناتے اور بڑی بڑی امیدیں دلا کر انھیں اقدام پر اکساتے۔ بائبل کے الفاظ میں یہ لوگ فتنہ انگیز ہیں۔ وہ بظاہر فلاح کی باتیں کرتے ہیں مگر حقیقۃً وہ ایسے راستہ کی طرف بلاتے ہیں جس کا نتیجہ صرف ہلاکت ہو۔ ایسے لوگوں کو غلط قرار دیتے ہوئے بائبل میں تلقین کی گئی ہے کہ تم لوگ حقیقت پسندی کا طریقہ اختیار کرو۔ اقتدار وقت سے ٹکراؤ نہ کرتے ہوئے اپنی تعمیر و استحکام میں لگ جاؤ۔ "ستر برس" تک جب تم ایسا کرو گے تو خدا تمھارے دن کو تمھارے لئے لوٹا دے گا۔

اخلاقی کمزوریوں کی حالت میں بڑے بڑے اقدام کی للکار بلند کرنا ایک ایسی غیر سنجیدہ حرکت ہے جس کی مثال کسی پیغمبر کے یہاں موجود نہیں۔ یہ جھوٹے قائدین کا طریقہ ہے نہ کہ سچے قائدین کا طریقہ۔

۴۔ قوم کے اندر کمزوری پیدا ہونے کے بعد جب خدا اس پر تنبیہات بھیجے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے اندر رجوع الی اللہ اور تضرع (الانعام ۴۲) کی کیفیت پیدا ہو۔ ایسی حالت میں جو قائدین "ظالموں" کو نشانہ بنا کر ان کے خلاف یک طرفہ شکایت اور احتجاج کا ہنگامہ کھڑا کریں۔ وہ گویا خدا کی اسکیم میں خلل اندازی کر رہے ہیں۔ وہ لوگوں کی توجہ کو صحیح رخ سے ہٹا کر غلط رخ کی طرف موڑ دینے کے مجرم ہیں۔

جس واقعہ سے احتساب خویش کا جذبہ ابھارنا مقصود تھا اس کو وہ اس کے برعکس احتساب غیر کا جذبہ ابھارنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ جس واقعہ کا فائدہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ لوگوں کی توجہ خدا کی طرف مائل ہو اس واقعہ کو انسان کی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ جو قائدین ایسا کریں وہ حقیقۃً جرم کر رہے ہیں نہ کہ قوم کی رہنمائی۔ وہ جھوٹے قائد ہیں نہ کہ سچے قائد۔

قرآنی حل

آج ہر مسلمان قرآن کے فضائل سے واقف ہے۔ مگر لوگ صرف فضائل تلاوت سے واقف ہیں۔ فضائل اتباع سے کوئی واقف نہیں۔ حالاں کہ قرآن کے سب سے زیادہ فضائل وکمالات وہ ہیں جو قرآن کے اتباع میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے۔ مگر یہ حل اسی کے لئے کارآمد ہے جو کسی تحفظ ذہنی کے بغیر اس کو اختیار کرنے پر راضی ہو۔

یہاں قرآن سے متعلق چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں:

عن عثمان بن عفان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خیرکم من تعلّم القرآن وعلّمہ (رواہ البخاری)

حضرت عثمان بن عفّان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کو سیکھے اور اس کو سکھائے۔

عن عمر بن الخطاب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال: ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین (رواہ مسلم)

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ کچھ لوگوں کو بلند کرے گا اور کچھ دوسرے لوگوں کو اس کے ذریعہ سے گرائے گا۔

عن عبد اللہ بن عمر قال: نزل جبریل علیہ السلام علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فاخبرہ انھا ستکون فِتَنٌ قال فما المخرج منھا یا جبریل۔ قال کتاب اللہ، فیہ نبأ ماقبلکم ونبأ ماھو کائن بعدکم۔ وھو الشفاء النافع عصمۃ لمن تمسك بہ ونجاۃ لمن اتبعہ۔ (جامع الاصول فی احادیث الرسول الجزء الثامن، صفحہ ۴۶۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ حضرت جبریل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آئے۔ انھوں نے آپ کو بتایا کہ عنقریب فتنے اٹھیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اے جبریل پھر اس سے نکلنے کی صورت کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ خدا کی کتاب۔ اس میں پہلے کی خبریں ہیں اور جو بعد کو ہونے والا ہے اس کی بھی خبریں ہیں۔ وہ نفع بخش شفا ہے جو اس کو پکڑے اس کے لئے حفاظت ہے اور جو اس کی پیروی کرے اس کے لئے نجات ہے۔

اس قسم کی احادیث بتاتی ہیں کہ ہر مسئلہ جو مسلمانوں کے لئے کسی بھی زمانہ میں یا کسی بھی حالات میں پیدا ہو، اس کا یقینی حل یہ ہے کہ قرآن کی پیروی کی جائے۔ قرآن کے حکم پر چلنے میں مسلمانوں کے لئے حفاظت کا سامان ہے اور ہر فتنہ سے ان کے لئے نجات کی ضمانت ہے۔

اس سلسلہ میں جب ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو اس میں ہم کو یہ اصولی اور بنیادی رہنمائی ملتی ہے کہ ـــــ
بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں۔ تم جواب دینے کا وہ طریقہ اختیار کرو جو بہتر ہو۔ پھر یکایک تمہارا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے کہ وہ تمہارا قریبی دوست ہو (حم سجدہ ۳۴)
اس آیت کی تشریح میں حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا:

امر اللہ المومنین بالصبر عند الغضب والحلم عند الجھل والعفو عند الاساءۃ۔ فاذا فعلوا ذالک عصمھم اللہ من الشیطان وخضع لھم عدوھم کانہ ولی حمیم
(تفسیر ابن کثیر)

اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ غصہ کے وقت صبر کریں۔ وہ جہالت کے موقع پر برداشت کریں اور برائی کے موقع پر معاف کر دیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ ان کو شیطان سے بچالے گا اور ان کے دشمن کو جھکا کر اس کو ان کے دوست کے مانند کر دے گا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ادفع بحلمک جھل من یجھل علیک
(تفسیر القرطبی)

جو شخص تمہارے ساتھ جہالت کرے، اس کی جہالت کا مقابلہ تم برداشت سے کرو۔

مذکورہ آیت میں زندگی کا جو اصول ملتا ہے وہی فرقہ وارانہ فساد کے مسئلہ کا حل بھی ہے۔ یعنی ردعمل کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے مثبت تدبیر والا طریقہ اختیار کرنا۔ یہی اس مسئلہ کا واحد حل ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی دوسری تدبیر نہیں جو اس مسئلہ کو ختم کر سکتی ہو۔ دوسری تدبیروں سے اگر وہ ختم ہونے والا ہوتا تو اب تک ختم ہو چکا ہوتا۔ کیوں کہ پچھلی طویل مدت میں وہ بہت بڑے پیمانہ پر آزمائی جا چکی ہیں اور سراسر ناکام رہی ہیں۔

فساد کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ ہم قومی طرز فکر کو چھوڑیں اور قرآنی طرز فکر کو اختیار کریں۔ مسلمان تلاوت قرآن کے فضائل سے خوب واقف ہیں مگر وہ اطاعت قرآن کے فضائل کو نہیں جانتے۔ قرآن کے احکام دراصل فطرت کے وہ قوانین ہیں جن پر خدا نے اپنی دنیا کا نظام قائم کیا ہے، انھیں قوانین کو اختیار کر کے کائنات کا نظام درست طور پر چل رہا ہے اور انھیں کو اختیار کرنے پر ہماری زندگی کا نظام بھی درست طور پر چل سکتا ہے۔ مذکورہ بنیادی حکم کی روشنی میں غور کیا جائے تو اس سلسلے میں قرآن سے چند خاص اصول اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ خبر کی تحقیق

قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تمہیں کوئی خبر ملے تو اس کی تحقیق کرو (ان جاءکم فاسق بنبأ

فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین) بھیونڈی اور بمبئی کے علاقہ کے مسلمانوں نے اگر قرآن کے اس حکم پر عمل کیا ہوتا تو یقیناً وہ اس فساد سے بچ جاتے جس میں کہا جاتا ہے کہ ان کا ایک ارب روپیہ کا نقصان ہوا۔ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کی توہین کی خبر سننے کے بعد اگر وہ اس کی باقاعدہ تحقیق کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ یہ خبر سرے سے غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد مسلمانوں میں وہ اشتعال پیدا نہ ہوتا جس کے ردعمل میں مذکورہ فساد ہوا۔ (تفصیل اگلے صفحات میں دیکھیں)

۲۔ لغویت سے اعراض

اسی طرح قرآن میں اہل ایمان کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ لغویاتوں سے اعراض کرتے ہیں (والذین ھم عن اللغو معرضون) اس آیت کے مطابق مسلمانوں کو چاہئے کہ جب نادان لوگ کوئی جہالت کریں یا کوئی اشتعال انگیز بات کریں تو وہ اس پر برافروختہ نہ ہوں بلکہ اعراض کا طریقہ اختیار کریں۔

مسلمان اگر اس قرآنی حکم (اعراض) کو اختیار کرلیں تو یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ہندستان میں تمام فسادات کی جڑ کٹ جائے۔ کیوں کہ بیشتر فسادات کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ نادانوں کی خرافات پر اعراض نہیں کرپاتے۔ وہ فوراً مشتعل ہوکر ان سے لڑنے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر پچھلے رمضان (جون ۱۹۸۳) میں مالیگاؤں کا فساد یقینی طور پر نہ ہوتا اگر مسلمانوں نے اعراض کا طریقہ اختیار کیا ہوتا۔ جیسا کہ معلوم ہے، اس فساد کا آغاز اس طرح ہوا کہ یہاں ایک مسجد ہے جو غیر مسلم علاقہ میں واقع ہے۔ یہاں ۲۵ جون ۱۹۸۳ کی رات کو تراویح کے وقت غیر مسلموں نے کسی وجہ سے پٹاخہ چھوڑا۔ چوں کہ یہ واقعہ مسجد کے دروازہ کے سامنے ہوا اس لئے وہ مسلمانوں کے لئے قابل اعتراض بن گیا۔ انھوں نے اس کو روکنے کی کوشش کی۔ اس سے ضد پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں دوسرے واقعات ہوئے۔ یہاں تک کہ باقاعدہ فساد ہوگیا۔ حالانکہ قرآن کی رو سے انھیں اس سے قطعاً اعراض کرنا چاہئے تھا۔

۳۔ حمیت جاہلیہ نہیں

قرآن میں معاہدہ حدیبیہ کے واقعہ کے ضمن میں ارشاد ہوا ہے کہ اہل کفر نے جب حمیت جاہلیۃ کا مظاہرہ کیا تو اہل ایمان نے اس کے جواب میں حمیت جاہلیہ کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ وہ تقویٰ کی روش پر قائم رہے۔ (الفتح ۲۶) اہل ایمان کی طرف سے جوابی حمیت کا طریقہ اختیار نہ کرنے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ حدیبیہ کا معاہدہ ہو سکا جس کو خدا نے فتح مبین فرمایا اور جس کے صرف دو سال بعد عرب فتح ہوگیا۔

مسلمان اگر اس آیت پر عمل کریں تو اچانک ان کی تاریخ بالکل دوسرا رخ اختیار کرلے۔ نیز فسادات کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے۔ فرقہ وارانہ فساد کی وجہ اکثر حالات میں یہی ہوتی ہے کہ فریق ثانی کی حمیت

جاہلیہ کے مقابلہ میں مسلمان بھی حمیت جاہلیہ پر اتر آتے ہیں۔ اس سے کش مکش بڑھتی ہے اور بالآخر فساد ظہور میں آتا ہے۔ مثال کے طور پر مراد آباد کا فساد (۱۹۸۰) اس طرح شروع ہوا کہ غیر مسلم حضرات کی شادی کا جلوس گانے بجاتے ایک سڑک سے گزر رہا تھا جس پر ایک مسجد واقع تھی۔ مسلمان مسجد سے نکل کر جلوس کی راہ میں مزاحم ہوگئے انھوں نے کہا کہ اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس لئے تم لوگ دوسرے راستے سے اپنا جلوس لے جاؤ۔ غیر مسلم حضرات اس پر تیار نہیں ہوئے۔ یہ ضد یہاں تک بڑھی کہ مار پیٹ کی نوبت آگئی اور بالاخر زبردست فساد پھوٹ پڑا۔

مسلمانوں کی یہ روش یقینی طور پر حمیت جاہلیہ کے مقابلہ میں جوابی حمیت جاہلیہ کا مظاہرہ تھا۔ اگر مسلمان قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے تو یقیناً وہ جوابی حمیت کا مظاہرہ نہ کرتے۔ اور اس کے بعد اس حادثہ کی نوبت ہی نہ آتی جس نے مراد آباد کو فساد کی آگ میں جلا ڈالا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے مٹاتا ہے۔ ناپاک کبھی ناپاک کو نہیں مٹا سکتا (ان اللہ لا یمحو السیئ بالسیئ ولکن یمحو السیئ بالحسن ان الخبیث لا یمحوا الخبیث، احمد)

اس حدیث میں ایک خداوندی اصول بیان کیا گیا ہے۔ اسی اصول پر پوری دنیا کا نظام قائم ہے۔ یہاں ہر برائی کو بھلائی سے ختم کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ساری دنیا صرف چند روز میں گندگی کا عظیم کوڑا خانہ بن کر رہ جائے۔

مگر آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ برائی کو برائی سے مٹانے پر کمربستہ ہیں۔ وہ اشتعال کو جوابی اشتعال کے ذریعہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک نفرت کو دوسری نفرت سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رقابت کا توڑ رقابت کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قومی عصبیت کا علاج قومی عصبیت کے ذریعے کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر یہ قانون خداوندی کے سراسر خلاف ہے۔ ایسا کوئی منصوبہ موجودہ دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اگر مسلمانوں کو اپنی اس تدبیر پر اصرار ہے تو ان کو اپنی مرضی کے مطابق ایک اور دنیا بنانی پڑے گی۔ موجودہ دنیا میں وہ کبھی اس طرح کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔

بے برداشت نہ ہو

قرآن کی سورہ نمبر ۳۰ کی آخری آیت میں ارشاد ہوا ہے "پس تم صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور تم کو بے برداشت نہ کر دیں وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے" (فاصبر ان وعد اللہ حق ولا یستخفنك الذین لا یوقنون، روم)

زمین سے ایک پھل دار درخت کا پودا اگتا ہے۔ قانون قدرت کے مطابق اس میں دسویں سال پھل لگنے والا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ جلد بازی کریں اور پودا نکلنے کے چند ماہ بعد ہی اس کا پھل لینا چاہیں تو وہ اپنی جلد باز کارروائیوں سے درخت کو برباد کر دیں گے اور اس کا قدرتی امکان بر روئے کار آنے سے رہ جائے گا۔ ایسا ہی کچھ معاملہ سماجی زندگی میں ظاہر ہونے والے واقعات کا بھی ہے۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اہلِ حق کو عزت اور غلبہ دے گا۔ مگر درخت کی طرح اس غلبہ کے ظہور کا بھی ایک قانون ہے۔ اگر اس قانون کی رعایت نہ کی جائے اور وقت سے پہلے اس کو پانے کی خواہش کی جائے تو یہ ایسی نادانی ہوگی جس سے غلبہ تو نہیں ملے گا البتہ اس کے امکانات برباد ہو کر رہ جائیں گے۔

خدا کی طرف سے جو غلبہ کا وعدہ ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ اہلِ حق اپنے حصہ کا کام کر دیں —— وہ اپنے آپ کو خدا کے دین پر قائم کریں، وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ وہ ممکن دائروں میں اپنے آپ کو مستحکم بنائیں۔ اسی کے ساتھ وہ فریقِ ثانی کو حق کی دعوت دیں۔ وہ دعوت کے تمام حکیمانہ تقاضوں کا اہتمام کرتے ہوئے اس کو اتمام حجت کے مرحلہ تک پہنچائیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو خدا کے یہاں کسی گروہ کا یہ استحقاق ثابت کرتی ہیں کہ وہ ان کو غالب کرے اور ان کے مقابلہ میں ان کے حریف کو مغلوب کر دے۔

جب اہلِ حق کے درمیان یہ تمام کام جاری ہوتے ہیں تو فریقِ ثانی کی طرف سے بار بار اشتعال انگیزیاں کی جاتی ہیں۔ ذہنی اور عملی پہلوؤں سے ایسی باتیں پیش آتی ہیں جو اہلِ حق کو بھڑکا دینے والی ہوں۔ یہ بڑا نازک وقت ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اگر اہلِ حق کی شانتی بھنگ ہو جائے اور وہ فریقِ ثانی کے چھیڑے ہوئے فتنوں میں اپنے آپ کو الجھا دیں تو اصل کام رک جاتا ہے اور دونوں فریقوں کے درمیان دوسرے غیر متعلق امور پر لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی لڑائی کا آخری فیصلہ ہمیشہ اہلِ حق کے خلاف ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا غلبہ خدا کی مدد سے ہوتا اور انھوں نے اصل کام کو نامکمل حالت میں چھوڑ کر غلبہ کا استحقاق کھو دیا۔ انھوں نے "بے برداشت" ہو کر خدا کی نافرمانی کی اور خدا کی نافرمانی کرنے والوں کو کبھی خدا کی نصرت نہیں پہنچتی۔

بے برداشت ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً اعلیٰ مقصد کی خاطر چھوٹے نقصانات کو برداشت

نہ کرنا اور ان کے لئے لڑ جانا۔ جذباتی ٹھیس پہنچنے والے معاملات کو نظرانداز نہ کرنا اور اپنے کو ان میں الجھالینا۔ سماجی اور معاشی مسائل میں خود تعمیری کے اصول پر عمل نہ کرنا اور مطالبہ اور احتجاج کی سیاست میں اپنے کو مشغول کرلینا۔ اپنے افراد میں کردار کی طاقت پیدا کرنے سے پہلے بڑے بڑے اقدامات کرنے لگنا۔ اجتماعی زندگی میں پیش آنے والی فطری زیادتیوں کو غیر ضروری اہمیت دینا اور ان کی خاطر تصادم چھیڑ دینا۔ دوسروں سے غیر حقیقی توقعات قائم کرنا اور جب وہ توقعات پوری نہ ہوں تو جھنجھلا کر ان سے مڈبھیڑ شروع کردینا۔ انسانی کمزوریوں کی رعایت نہ کرنا اور کسی کے اندر ایک بشری کمزوری پاکر اس کو اچھالنا اور اس کی بنیاد پر ہنگامہ آرائی کرنا۔ سیاسی حکمرانوں سے مفاہمت نہ کرنا اور قبل از وقت ان سے ٹکرا جانا۔ وغیرہ

"بے برداشت نہ ہوجاؤ" کا اصول حد درجہ حکمت پر مبنی ہے۔ اس کی خلاف ورزی کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ نہ ملے ہوئے مواقع کی حرص میں ملے ہوئے مواقع بھی برباد ہوجاتے ہیں۔ ایک حکمراں جو غیر سیاسی دائرہ میں کام کرنے کا موقع دے رہا ہے، اس کو سیاسی اقتدار سے بے دخل کرنے کی مہم چلائی جانے لگے تو وہ غیر ضروری طور پر اہل حق کو اپنا حریف سمجھ لیتا ہے اور حکومتی قوت سے کام لے کر انھیں کچل ڈالتا ہے۔ فریق ثانی اگر زور آور حیثیت رکھتا ہے اور اس کے افراد سے بعض زیادتیاں سرزد ہوتی ہیں اور ان کو برداشت نہیں کیا جاتا تو اس کے بعد عمومی سطح پر ایسے فسادات برپا ہوتے ہیں کہ پوری زندگی تہس نہس ہوجاتی ہے اور کسی بھی قسم کا کوئی تعمیری کام کرنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ جب بھی آدمی کوئی کام شروع کرتا ہے تو فطری طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں مختلف لوگوں کی طرف سے شکایت اور نقصانات سامنے آتے ہیں۔ آدمی اگر ہر شکایت اور ہر نقصان کو اہمیت دے اور اس کی بنیاد پر لوگوں سے لڑنا شروع کردے تو اصل کام رک جائے گا اور بس لڑائی جھگڑے باقی رہیں گے۔

دوسرے یہ کہ بالفرض ان تمام نادانیوں کے باوجود اہل حق کو غلبہ دے دیا جائے تو عدم تیاری کی کی بنا پر وہ اس کو سنبھال نہ سکیں گے۔ اگر کسی گروہ میں اتحاد نہ ہو تو غلبہ پانے کے بعد وہ آپس میں لڑنا شروع کردیں گے، جو ٹکراؤ پہلے حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان جاری تھا وہ خود حق پرستوں کے اپنے درمیان ہونے لگے گا۔ اگر ان کے افراد میں کردار پیدا نہ ہوا ہو اور انھیں اقتدار پر قبضہ مل جائے تو وہ اصلاح کے بجائے صرف فساد کا سبب بنیں گے اور نتیجۃً حق کے بارے میں ایسی بدگمانیاں پیدا ہوں گی کہ لوگ اس کو ایک قابل نفرت چیز سمجھنے لگیں۔ اگر انھوں نے اپنے اندر یہ مزاج پختہ نہیں کیا ہے کہ ان کے نزدیک ساری اہمیت حق کی ہے باقی تمام چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں تو وہ غلبہ پاکر غیر ضروری سرگرمیوں میں مشغول ہوجائیں گے اور سماج کو نئے نئے مسائل میں الجھا کر رکھ دیں گے۔ اگر انھوں نے اپنے آپ کو انتقام

کی نفسیات سے بلند نہیں کیا ہے تو اقتدار پانے کے بعد وہ اپنے سابق دشمنوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیں گے۔ حتیٰ کہ فوج اور انتظامیہ کے اعلیٰ تربیت یافتہ افراد کو ختم کر کے ملک کو اتنا کمزور کر دیں گے کہ ملک کو سنبھالنا ہی ناممکن ہو جائے۔ اگر انھوں نے اپنے اندر برداشت کی قوت پیدا نہیں کی ہے تو وہ ہر اس شخص یا گروہ سے لڑائی چھیڑ دیں گے جس سے ان کے نفس کو چوٹ لگے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کے غلبہ کے باوجود اسلام کا اصل کام (بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑنا) بدستور اَن ہوا پڑا رہ جائے گا۔ جو شخص جذبات سے بے قابو ہو جائے وہ ایک خرابی کو مٹانے کے نام پر ایسا اقدام کرے گا جس سے کئی شدید تر خرابیاں پیدا ہو جائیں۔

جب بھی کسی کی طرف سے ناپسندیدہ بات سامنے آتی ہے تو آدمی صرف ایک بات سوچتا ہے: یہ مخالف ہے، اس کو کچل ڈالو۔ مگر یہ انسان کا بہت ناقص اندازہ ہے۔ خدا نے انسانی نفسیات میں بے حد لچک رکھی ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انسان ایک حالت پر قائم نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے۔ اور برداشت کا مطلب اسی انسانی امکان کا انتظار کرنا ہے۔ شریعت میں صابرانہ طریق کار کی تلقین اسی لئے کی گئی ہے کہ اس آنے والے وقت کو آنے کا موقع دیا جائے جب کہ "آج" کے انسان کے اندر چھپا ہوا "کل" کا انسان برآمد ہو جائے۔

بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو فی الواقع سوچ سمجھ کر کسی چیز کے مخالف بنتے ہیں۔ بیشتر لوگوں کی مخالفت محض اضافی اسباب کی بنا پر ہوتی ہے۔ کبھی ایک آدمی محض غلط فہمی کی بنا پر کسی چیز کا مخالف بن جاتا ہے۔ کبھی وقتی تقاضے کسی شخص کو آپ کے بالمقابل محاذ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ کبھی حیثیت اور منصب کے مصنوعی مسائل آدمی پر اتنا غالب آتے ہیں کہ وہ کسی بات کے اعتراف سے رک جاتا ہے۔ کبھی کسی کے اختلاف کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کو ایک رخ سے دیکھ رہا ہے اور آپ اس کو دوسرے رخ سے دیکھ رہے ہیں۔ اس قسم کے اختلافات حقیقی اختلافات نہیں ہوتے۔ وہ محض حالات کے تابع ہوتے ہیں اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ہمیشہ بدل جاتے ہیں۔

تاہم کچھ مخالفین ایسے ہوتے ہیں جو اپنی مخالفت میں جارحیت کی حد تک جاتے ہیں۔ وہ سازش کرتے ہیں، وہ تخریب کی کارروائیاں کرتے ہیں۔ اور امتحان کی اس دنیا میں بہر حال ان کو بھی اسی طرح عمل کی آزادی حاصل ہے جس طرح کسی دوسرے کو حاصل ہے۔ ایسے لوگوں سے مقابلہ کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ جھنجھلاہٹ کے بجائے صبر اور حکمت کے ساتھ اپنا راستہ نکالا جائے۔ کسی گروہ کی بے صبری اور غیر دانش مندی اس کے دشمن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ سب سے زیادہ نادان وہ ہے جو خود اپنی طرف سے دشمن کو یہ ہتھیار فراہم کر دے۔

چھوٹے شر کو نظر انداز کرو

اخرج الطبرانی فی الاوسط عن ابی جعفر الخطمی ان جدہ عمیر بن حبیب بن حماشۃ و کان قد ادرک النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عند احتلامہ اوصی ولدہ فقال: یابنی ایاک ومجالسۃ السفہاء فان مجالستھم داء ومن یحلم عن السفیہ یسر ومن یحبہ یندم ومن لا یرضی بالقلیل مما یاتی بہ السفیہ یرضی بالکثیر۔ واذا اراد احدکم ان یامر بالمعروف او ینھی عن المنکر فلیوطن نفسہ علی الصبر علی الاذی ویثق بالثواب من اللّٰہ تعالی فانہ من وثق بالثواب من اللّٰہ عز وجل لم یضرہ مس الاذی

حضرت عمیر بن حبیب بن حماشہ جنھوں نے اپنی بلوغت کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا تھا، اپنے لڑکے کو وصیت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اے میرے بیٹے، نادانوں کی صحبت سے بچو کیونکہ ان کی صحبت میں بیٹھنا بیماری ہے۔ اس کو خوشی ملی جس نے نادان آدمی سے درگزر کیا۔ اور وہ شخص پچھتایا جس نے اس سے دوستی کی۔ اور جو شخص نادان کے چھوٹے شر پر راضی نہ ہو، اس کو نادان کے بڑے شر پر راضی ہونا پڑے گا اور جب تم میں سے کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنا چاہے تو اپنے آپ کو تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار کرلے اور اللہ سے ثواب ملنے پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ جو شخص اللہ سے ثواب ملنے پر بھروسہ کرے گا اس کو تکلیف کا پہنچنا نقصان نہ دے گا۔

ایک نادان شخص اگر کسی کی طرف کنکری پھینکے تو اس کا فوری تاثر یہ ہوتا ہے کہ اس کا بھرپور جواب دیا جائے۔ حالانکہ نادان کی کنکری کا زیادہ بہتر جواب اس کو برداشت کرلینا ہے۔ "کنکر" کو برداشت کرکے آپ معاملہ کو "پتھر" تک پہنچنے سے روک دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی نادان کے شر کو برداشت نہ کرنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ بالآخر اس سے زیادہ بڑے شر کو برداشت کرنے پر اپنے کو راضی کیا جائے۔

ایک فرقہ کا پہلوان دوسرے فرقہ کے زیر انتظام اکھاڑے میں اس فرقہ کے پہلوان سے کشتی لڑتا ہے۔ کشتی کے خاتمہ پر پہلے فرقہ کے پہلوان کو شکایت ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ دھاندلی کی گئی ہے۔ ایسی حالت میں زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ اس دھاندلی کو برداشت کرے اور اگلے سال اتنی زیادہ تیاری کے ساتھ مقابلہ کے میدان میں اترے کہ وہ دھاندلی کی حد کو پار کرچکا ہو۔ اس کے برعکس اگر اس نے دھاندلی کو برداشت نہ کیا اور دھاندلی کا بدلہ لینے کے لئے دوسرے فرقہ کے پہلوان کو قتل کرنے کی کوشش کی تو اس کے نتیجہ میں ایسا فساد رونما ہوگا جو اس فرقہ کی پوری بستی کو ویران کردے گا۔ اکھاڑے کی دھاندلی نہ برداشت کرنے کی

قیمت معاشی بربادی، سماجی ذلت اور جانوں کی ہلاکت کی صورت میں دینی پڑے گی۔ اسی طرح مثلاً ایک فرقہ کے لوگ اپنی عبادت گاہ میں سالانہ عبادت ادا کر رہے ہیں۔ اس موقع پر دوسرے فرقہ کا گندا جانور چھوٹ کر عبادت گزاروں کی صف میں داخل ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک تکلیف دہ بات ہے۔ لیکن اگر اس تکلیف کو برداشت کر لیا جائے تو صرف ایک وقتی اور معمولی واقعہ پر اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر اس کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کی جائے تو اس کے بعد ایسا فساد برپا ہوگا جو کتنی ہی بستیوں کو خاکستر بنا دے گا اور اتنے زیادہ نقصانات سامنے آئیں گے جن کی تلافی برسہابرس تک بھی نہ ہو سکے۔ ایک عبادت گاہ ہے۔ اس کے پاس سے دوسرے فرقہ کے لوگ باجا بجاتے ہوئے گزرے اور اس سے عبادت کرنے والوں کو تکلیف پہنچی۔ اگر اس کو برداشت کر لیا جائے تو وقتی تکلیف کے بعد صورت حال معمول پر آجائے گی۔ لیکن اگر عبادت کرنے والے اس پر بگڑ جائیں اور جلوس پر پابندی لگانے کی کوشش کریں تو اس کے جواب میں ضد اور عناد ابھرے گا جو بالآخر لڑائی اور فساد کی صورت اختیار کرے گا۔ جن لوگوں نے چند منٹ کے باجے کا سننا برداشت نہیں کیا تھا انھیں آگ اور خون کا منظر دیکھنے کو برداشت کرنا پڑے گا۔

آدمی بہت جلد اس کے لئے تیار ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو بھلائی کا حکم دے اور اس کو برائی سے روکے۔ کیوں کہ دوسروں کے ساتھ ایسا کرنے میں اس کی انا کے لئے تسکین ہے۔ اس سے نفس کو یہ لذت ملتی ہے کہ میں حق پر ہوں اور دوسرا میرے مقابلہ میں ناحق پر ہے۔ مگر بھلائی کا وعظ کہنا اور برائی سے روکنا صرف اس شخص کے لئے جائز ہے جو اس کی قیمت دینے کے لئے تیار رہو۔ اور اس کی قیمت تکلیفوں پر صبر کرنا ہے۔ جب بھی ایک آدمی دوسرے کو ٹوکے گا اور اس کے اوپر تنقید کرے گا تو لازماً ایسا ہوگا کہ وہ شخص برہم ہوگا۔ ایسے موقع پر ٹوکنے والے کو برف کی طرح نرم ہو جانا چاہئے۔ اگر وہ خود بھی اس کے جواب میں برہم ہو جائے تو وہ برائی سے ٹوکنے والا نہیں ہے بلکہ وہ ایک برائی کو دو برائی کرنے کا مجرم ہے جو خدا کے یہاں کسی حال میں قابل معافی نہیں۔

وعظ و نصیحت کے جواب میں پیش آنے والی تکلیفوں پر برہم ہونے سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس نے وعظ و نصیحت کا کام تمام تر اللہ کی خاطر شروع کیا ہو۔ جس اللہ سے وہ دوسرے کو ڈرا رہا ہے جب وہ خود اس سے ڈرنے والا بن چکا ہے تو وہ ایسا کام کیوں کر کر سکتا ہے جو صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ سے بے خوف ہو چکے ہوں۔ جو شخص انسانوں کی طرف سے آنے والی تکلیفوں پر بگڑتا ہے وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ اپنے عمل کا بدلہ انسانوں سے چاہتا تھا اور جب انسانوں کی طرف سے بدلہ نہیں ملا تو وہ بگڑ گیا۔ مگر جو آدمی اپنے عمل کا بدلہ اللہ سے لینے کا امیدوار ہو وہ اس کی بالکل پروا نہیں کر سکتا کہ لوگ اس کے کام کی تعریف کر رہے ہیں یا تنقید۔

صبر کا طریقہ

فساد کا کوئی سبب پیدا ہو تو اس وقت ایک طریقہ صبر کا ہے اور دوسرا طریقہ اشتعال کا۔ ایسے موقع پر مشتعل ہونا فساد کو بڑھاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ذہن کو قابو میں رکھ کر سوچا جائے اور صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے تو مسئلہ جہاں تھا وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں ہم چند واقعات لکھتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ صبر کا طریقہ اختیار کرنا کس طرح فساد کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

۱۔ ستمبر ۱۹۶۷ کا واقعہ ہے۔ دار العلوم ندوہ (لکھنو) کے قریبی محلہ میں ایک غیر مسلم کی گائے تھی۔ ایک مقامی مسلمان نے کسی وجہ سے گائے کو مارا۔ اتفاق سے چوٹ کسی نازک مقام پر لگ گئی اور گائے مر گئی۔ غیر مسلم حضرات کو جب معلوم ہوا کہ ان کی گائے ایک مسلمان نے مار ڈالی ہے تو پورے علاقہ میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ سیکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم لوگ جمع ہو گئے۔ سب سے قریبی مسلم مرکز ندوہ تھا۔ وہ لوگ ندوہ میں گھس آئے اور اشتعال انگیز نعرے لگانے لگے۔

یہ بڑا نازک وقت تھا۔ اندیشہ تھا کہ وہ لوگ ندوہ کو آگ لگا دیں اور پھر سارے شہر میں فساد برپا ہو جائے۔ ندوہ کے ذمہ داروں نے اس موقع پر مشورہ کیا۔ طے ہوا کہ اس مشتعل مجمع کو ٹھنڈا کرنے کی تدبیر صرف یہ ہے کہ گائے کے قاتل کو مجمع کے حوالے کر دیا جائے۔ اگرچہ یہ ایک خطرناک کام تھا مگر شہر کو آگ اور خون سے بچانے کی کوئی دوسری تدبیر ممکن نہ تھی۔ چنانچہ ذمہ دار حضرات مذکورہ مسلمان کے پاس گئے جو غالباً ندوہ کے ایک کمرہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس سے کہا کہ اس وقت ندوہ اور سارا شہر خطرہ میں ہے۔ مگر ان کا سارا غصہ تمہاری وجہ سے ہے۔ اگر وہ تم کو پا جائیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ تمہارے لئے ایک خطرہ کی بات ہے۔ تاہم امید ہے کہ اللہ کی مدد حاصل ہوگی اور تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ آخر کار وہ راضی ہو گیا۔ اور نکل کر مجمع کے سامنے آگیا۔ اس نے کہا کہ آپ کی گائے میں نے ماری ہے اس لئے آپ میرے ساتھ جو چاہیں کریں۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ میں نے مارنے کی نیت سے نہیں مارا تھا بلکہ اس کو بھگانے کے لئے مارا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ وہ مر گئی۔ مجمع نے جب گائے کے قاتل کو پا لیا اور اس کی باتیں سنیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ لوگ جو ندوہ کو پھونکنے اور شہر کی مسلم آبادی کو ویران کرنے پر تلے ہوئے تھے وہ صرف اتنی سی بات پر راضی ہو گئے کہ گائے کا قاتل گائے کی قیمت ادا کر دے۔ قیمت فوراً ادا کر دی گئی اور مسئلہ اسی وقت ختم ہو گیا۔

۲۔ فیروز جھرکا ضلع گوڑ گاؤں (ہریانہ) کا ایک قصبہ ہے۔ قصبہ میں تقریباً تمام دکانیں غیر مسلم حضرات کی ہیں۔ مگر اطراف کے تمام دیہاتوں میں مسلمانوں (میووں) کی اکثریت ہے۔ فیروز پور کے بازار میں زیادہ تر یہی مسلمان خریداری کرتے ہیں۔ ۱۹۸۰ کے آغاز میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک غیر مسلم خاندان کی لڑکی گھر سے غائب ہو گئی۔ لوگوں کو شبہ ہوا کہ کچھ مسلم نوجوانوں نے ایسا کیا ہے۔ چنانچہ غیر مسلم حضرات نے کافی شور وغل کیا۔ پولس میں رپورٹ کر کے کچھ مسلمانوں کو گرفتار کرایا۔

ایک روز احتجاجی ہڑتال کی۔ بسوں کو روک کر مسلم مسافروں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ ہندی اخبارات میں اغوا کی رپورٹ شائع کرائی۔ اس طرح کے واقعات نے علاقہ میں سخت اشتعال پیدا کر دیا۔ اور اندیشہ ہوگیا کہ کسی بھی دن فساد برپا ہو جائے اور اس کے بعد سارا علاقہ آگ اور خون کی نذر ہو جائے۔

اس علاقہ میں مسلمانوں کی پنچایت قائم ہے اور اہم قومی مسائل پر پنچایتی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پنچایت کا اعلان ہوتا کہ باہمی مشورہ سے اقدام کا فیصلہ کیا جائے۔ ایک خاص تاریخ کو علاقہ کے چودھری اور ذمہ دار مسلمان کئی سو کی تعداد میں فیروز پور کے پاس ایک مقام پر جمع ہوئے۔ کئی گھنٹہ کی گفتگو کے بعد بالآخر بائیکاٹ کا فیصلہ ہوا۔ طے ہوا کہ مسلمان کوئی براہ راست کارروائی نہ کریں۔ بس خاموشی سے یہ کریں کہ غیر مسلم دوکان داروں کے یہاں سے خریداری کرنا بالکل بند کر دیں۔ کچھ لوگ نگراں مقرر ہوئے جو بازار کے تمام راستوں پر بیٹھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ کوئی مسلمان خریداری کے لئے غیر مسلم دکان داروں کے یہاں نہ جائے۔

اگلے دن سے بائیکاٹ شروع ہوگیا۔ میووں کے نزدیک برادری کے فیصلہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اس لئے بائیکاٹ کا فیصلہ صد فی صد کامیاب رہا۔ فیروز پور کا بازار نیز اطراف کے بازار جو روزانہ بھرے رہتے تھے، بالکل سونے ہوگئے۔ دکان دار سارے دن بے کار رہنے لگے۔ ابھی بائیکاٹ کو صرف تین دن گزرے تھے کہ غیر مسلم دکاندار چیخ اٹھے۔ غیر مسلم دکان داروں نے باہم مشورہ کر کے علاقہ کے ذمہ دار مسلمانوں کو بلایا اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ایک مشترکہ پنچایت کی۔ غیر مسلم حضرات نے کہا کہ ہم آپ کے بھائی ہیں۔ جو کچھ ہوا اس کو بھول جائیے اور ہماری کوتاہی معاف کیجئے اور بائیکاٹ کو ختم کر دیجئے۔ مسلمانوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور چوتھے دن بائیکاٹ ختم ہوگیا اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جو کارروائیاں کی جارہی تھیں وہ بھی ختم ہوگئیں۔

۳۔ علی گڑھ یونیورسٹی کیمپس میں ستمبر ۱۹۸۰ میں یہ واقعہ ہوا کہ ہادی حسن ہال کے پیچھے ایک جھاڑی میں دوسرے فرقہ سے تعلق رکھنے والے چار آدمی ایک سور کاٹ رہے تھے۔ بظاہر ان کا منصوبہ یہ تھا کہ سور کے ٹکڑے یونیورسٹی میں پھینک کر وہاں کے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا جائے اور اس طرح بہانہ پیدا کر کے یونیورسٹی کے علاقہ میں فساد کیا جائے۔ اتفاق سے کچھ مسلم طلبا نے اس کو دیکھ لیا۔ انھوں نے فوراً یونیورسٹی پراکٹر کو مطلع کیا۔ پراکٹر نے اسی وقت پولس کو ٹیلی فون کیا۔ پولس اطلاع ملتے ہی فوراً پہنچ گئی اور چاروں آدمیوں کو عین موقع پر گرفتار کر لیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لوگوں کی یہی دانش مندی تھی جس کی وجہ سے ایسا ہوا کہ ۸۰-۱۹۷۹ میں علی گڑھ میں مہینوں تک فساد کا سلسلہ جاری رہا مگر سارا فساد شہر کے علاقہ میں ہوا اور ریلوے لائن کے دوسری طرف یونیورسٹی کا وسیع علاقہ بالکل محفوظ رہا۔ علی گڑھ کا یہ تجربہ بتاتا ہے کہ ہر تخریبی سازش کو دانش مندی کے ذریعہ غیر موثر بنایا جاسکتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد کے اسباب مکمل طور پر پیدا ہونے کے باوجود اس کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ کوئی واقعہ خواہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو ہمیشہ اس کے اندر اس کی کاٹ کے اسباب بھی موجود ہوتے ہیں۔ اور یہ ممکن ہوتا ہے کہ ان کو استعمال کر کے اس کو غیر موثر بنا دیا جائے۔ مگر اس امکان کو استعمال

کرنے کی لازمی شرط صبر ہے۔ واقعہ خواہ کتنا ہی خلاف مزاج ہو مگر دانش مندی یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر آدمی مشتعل نہ ہو۔ مشتعل آدمی کی عقل کھوئی جاتی ہے ۔ وہ کسی معاملہ کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ اس لئے وہ اس کو دفع کرنے کی صحیح منصوبہ بندی بھی نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد انتہائی ضروری ہے کہ آدمی مشورہ کرے۔ مشورے سے بیک وقت دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں کئی آدمیوں کی سوچ اور تجربات شامل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے معاملہ کو زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں متاثر ذہن کے ساتھ غیر متاثر ذہن کی رائے بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اس لئے جو فیصلہ ہوتا ہے وہ ٹھنڈے ذہن سے سوچا سمجھا فیصلہ ہوتا ہے نہ کہ مغلوب ذہن کے تحت کیا ہوا فیصلہ۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یک طرفہ الزام بازی کا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔ بلکہ فیاضی کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا جائے۔ انسان کی یہ نفسیات ہے کہ اگر وہ دیکھتا ہے کہ مقابل کا آدمی اپنی غلطی کو نہیں مان رہا ہے تو اس کے متعلق اس کے اندر انتقام کے جذبات امنڈتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر آدمی دیکھے کہ اس کا حریف اپنی غلطی کو کھلے دل سے مان رہا ہے تو اچانک اس کے اندر رحم اور عفو کے جذبات امنڈ آتے ہیں۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ غلطی کا اعتراف کر کے اس نے اپنی سزا آپ دے لی ہے، اب میں مزید سزا اسے کیا دوں

یہ بھی حد درجہ ضروری ہے کہ قانون کو کبھی اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کی جائے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں باقاعدہ قانون کی حکومت قائم ہو وہاں قانون اپنے ہاتھ میں لینا اپنے کو مجرم کی صف میں کھڑا کرنا ہے۔ قانون اپنے ہاتھ میں لے کر آدمی اپنے آپ کو بیک وقت دو فریقوں کا مدمقابل بنا لیتا ہے۔ ایک وہ شخص جس نے کوئی شر کیا تھا، اور دوسرے ملک کا انتظامیہ۔ اس کے برعکس اگر آپ معاملہ کو فوراً انتظامی ذمہ داروں کے حوالے کردیں تو آپ درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ اب سارا معاملہ شر پسند اور انتظامیہ کے درمیان ہو جاتا ہے۔

آخری ضروری چیز اتحاد ہے۔ کوئی بھی اجتماعی تدبیر اجتماعی طاقت ہی سے کامیاب ہوتی ہے اور اتحاد ہی کا دوسرا نام اجتماعی طاقت ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ اتحاد اس طرح کبھی نہیں ہوتا کہ تمام لوگوں کی رائیں ایک ہو جائیں۔ ایسا اتحاد موجودہ دنیا میں ممکن نہیں۔ اتحاد در اصل اختلاف رائے کے باوجود متحد ہونے کا نام ہے نہ کہ اختلاف رائے نہ ہونے پر متحد ہونے کا۔ اگر ہم اپنے حریف کے مقابلہ میں موثر بننا چاہتے ہیں تو ہم کو رائے کی قربانی دینے پر تیار ہونا پڑے گا۔ رائے کی قربانی ہی پر اتحاد قائم ہوتا ہے اور جہاں اتحاد موجود ہو وہاں کسی شریر کی شرارت کا کوئی گزر نہیں۔

تدبیر وہی ہے جو خاموش تدبیر ہو۔ کسی ناخوش گوار صورت حال کے پیش آنے کے بعد جب آدمی شور و غل کرنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو گیا ہے۔ اور جذبات سے مغلوب انسان کبھی کوئی گہری تدبیر سوچ نہیں سکتا۔ گہری تدبیر گہرے غور و فکر سے حاصل ہوتی ہے، جب کہ شور و غل آدمی کو اس قابل ہی نہیں رکھتا کہ وہ کسی معاملہ میں گہرائی کے ساتھ غور کرسکے۔

داخلی نظام

اسلام سے پہلے عرب میں جو شعراء پیدا ہوئے ان کو جاہلی شعراء کہا جاتا ہے۔ ایک جاہلی شاعر اس زمانہ کے ایک عرب قبیلہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

لا یسألون اخاهم حین یندبهم　　فی النائبات علی ماقال برهانا

یعنی ان کے بھائی پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے اور وہ ان کو مدد کے لئے پکارتا ہے تو وہ اس سے اس کی دلیل نہیں پوچھتے۔ بلکہ فوراً اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کے عرب میں اس کو شرافت کی خاص پہچان سمجھا جاتا تھا۔ اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص سے کچھ لوگوں کی دشمنی ہوگئی۔ ایک روز ان لوگوں نے اس شخص کو اکیلے میں پالیا۔ وہ لوگ دوڑے کہ اس کو مار ڈالیں۔ وہ آدمی بھاگا۔ بھاگتے ہوئے اس کو ایک بدو کا خیمہ ملا۔ وہ خیمہ میں گھس گیا اور کہا کہ مجھے بچاؤ۔ بدو عرب نے اس کو خیمہ کے اندر بٹھایا اور خود خیمہ کے دروازے پر تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دشمن جب وہاں پہنچے تو اس نے کہا: میں نے اس آدمی کو پناہ دی ہے، اب اگر تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو تو پہلے تم کو میری تلوار کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ مجھ کو ختم کرنے کے بعد ہی تم اس کو پا سکتے ہو۔

عباسی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص نے بغاوت کی۔ اس کا نام بابک خرمی تھا۔ اس نے موصل کے علاقہ میں اپنی بڑی طاقت بنالی۔ خلیفہ معتصم باللہ (۲۲۷-۱۸۰ھ) نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک بڑی فوج بھیجی۔ بابک خرمی جب مسلمانوں کے لشکر کے محاصرہ میں آکر تنگ ہوا تو اس نے یہ تدبیر کی کہ اس نے اس وقت کے رومی بادشاہ نوفل بن میکائیل (قیصر روم) کو ایک خفیہ خط بھیجا جو اپنی سلطنت کا بڑا حصہ کھو کر ترکی کے علاقہ میں مقیم تھا۔ بابک نے اس کو لکھا کہ معتصم باللہ نے اس وقت اپنی تمام فوجیں میرے مقابلہ پر روانہ کر دی ہیں۔ بغداد اور سامرہ فوجوں سے خالی ہو گئے ہیں۔ تمہارے لئے بہترین موقع ہے کہ تم خلافت بغداد پر حملہ کر کے ان سے اپنی سابق سلطنت چھین لو۔ شاہ روم اپنی ایک لاکھ فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نے زبطرہ پر شب خون مارا جو ترکی کی سرحد پر واقع تھا۔ وہاں کے مردوں کو قتل کیا اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔

یہ ۲۹ ربیع الثانی ۲۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ ایک شخص زبطرہ کے حادثہ کی خبر لے کر معتصم باللہ کے پاس بغداد پہنچا۔ واقعات بتاتے ہوئے اس نے کہا کہ ایک عرب عورت کو رومیوں نے پکڑا اور اس کو کھینچ کر لے جانے لگے تو اس نے پکارا وامعتصماہ (ہائے معتصم) معتصم باللہ اس وقت مجلس طرب میں تھا۔ مگر

جیسے ہی اس نے یہ خبر سنی لبیک لبیک کہتا ہوا فوراً وہ اپنے تخت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ میں اس وقت تک آرام نہیں کروں گا جب تک عرب خاتون کی مدد نہ کرلوں۔ وہ اپنے محل پر چڑھا اور اس کے اوپر کھڑا ہو کر پکارا الرحیل الرحیل (کوچ، کوچ) اس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور کوچ کا نقارہ بجوادیا۔ لشکر اور سرداران لشکر گروہ در گروہ آکر اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ وہ اس معاملہ میں اتنا سنجیدہ تھا کہ قاضی اور گواہ بلاکر اس نے وصیت لکھوائی کہ اگر میں جنگ سے واپس نہ آؤں تو میرا اثاثہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔

معتصم باللہ اپنے لشکر کے ساتھ زبطرہ پہنچا تو رومی وہاں سے بھاگ کر اپنے قلعہ بند شہر عموریہ جا چکے تھے۔ معتصم باللہ آگے بڑھا اور اپنی فوجوں کو لے کر رومی علاقہ (ترکی) میں داخل ہو گیا۔ اس نے عموریہ کا محاصرہ کرلیا۔ ۵۵ روز کے محاصرہ کے بعد رومی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ معتصم باللہ نے عموریہ کی تمام شاہی اور فوجی تعمیرات کو ڈھاکر زمین کے برابر کردیا۔ قیصر روم نوفل نے بھاگ کر قسطنطنیہ میں پناہ لی۔ معتصم باللہ نے عرب خاتون کو رومی قید سے آزاد کرایا اور اس کو اس کے گھر پہنچا دیا۔

کسی معاشرہ میں "فساد" نہ ہونے کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ اس کے افراد مظلوم کی پکار پر دوڑ پڑیں۔ اس کے برعکس جہاں لوگوں کو مظلوم کی پکار سے دلچسپی نہ ہو، وہ صرف اس وقت بیان اور تقریر کا کرشمہ دکھانے کے لئے باہر آئیں جب کہ اس کے اندر اخباری اہمیت (نیوز ویلیو) پیدا ہو چکی ہو، ایسے معاشرہ میں ہر وقت فساد کے اسباب پرورش پاتے رہتے ہیں اور موقع پاتے ہی پھوٹ پڑتے ہیں۔ آج لوگوں میں انفرادیت اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ایک شخص خواہ کتنا ہی پکارے، کوئی اس کی مدد کے لئے نہیں دوڑتا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی اس کی مدد کے لئے اپنے اندر کوئی تڑپ نہیں پاتے جو بے انصافی کے خاتمہ کے عنوان پر اپنی تحریکیں چلا رہے ہیں۔ لوگ ظلم اور بے انصافی کے نام پر تقریریں کرتے ہیں۔ مگر جب ایک واقعی مظلوم ان کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ حیرت انگیز طور پر پاتا ہے کہ ان مقرر لیڈروں کو اس کی مدد پر پہنچنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔

موجودہ فرقہ وارانہ فساد کا کم از کم ایک جزئی سبب یہ بھی ہے۔ ایک مقام پر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو ستایا۔ اس نے اپنی قوم کے لیڈروں کو مدد کے لئے پکارا۔ مگر کوئی ایک شخص بھی اس کی مدد پر نہ اٹھا۔ اس واقعہ کا اس پر اس قدر شدید ردعمل ہوا کہ مسلمانوں سے اس کو نفرت ہو گئی۔ اس نے ایک سازش کرکے اپنے مقام پر ایک فرقہ وارانہ فساد کرا دیا۔ اور جب فساد کا ہنگامہ شروع ہوا تو اس کے دوران اس نے ان لوگوں کے گھر جلا ڈالے جن سے اس کو شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ کسی معاشرہ کا سب سے بڑا فساد باہمی بے اعتمادی ہے اور انفرادی ظلم پر نہ دوڑنا معاشرہ کے اندر یہی برائی پیدا کرتا ہے۔

ایک چھوڑی ہوئی سنّت

انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں پرتگیزی ہندستان کے ساحل تک آچکے تھے۔ اس زمانہ میں ایسے واقعات پیش آئے کہ ہندستانی مسلمان جو بادبانی کشتیوں کے ذریعہ حج کے لئے ہندستان سے حجاز جارہے تھے، ان کو پرتگیزیوں نے راستہ میں لوٹ لیا۔

اس طرح کے واقعات مشہور ہوئے تو اطراف لکھنؤ کے بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ موجودہ حالات میں ہندستانی مسلمانوں کے لئے حج کی عبادت ضروری نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ قرآن میں ہے کہ من استطاع الیہ سبیلا (آل عمران ۹۷) اس آیت کے مطابق حج کی شرط یہ ہے کہ راستہ میں امن ہو۔ چونکہ حجاز اور ہندستان کے درمیان کا سمندری سفر غیر مامون ہوگیا ہے، اس لئے اس آیت کے مطابق اب ہندستانی مسلمانوں کے اوپر سے حج کی فرضیت ساقط ہوگئی ہے۔

یہ مسئلہ بڑھا اور مختلف علماء سے اس کے بارہ میں رائیں دریافت کی گئیں۔ مفتی فیض الدین صاحب (لکھنؤ) نے شاہ عبد العزیز دہلوی (۱۸۲۳ - ۱۷۶۲) کو خط بھیجا اور اس کے متعلق ان کا فتویٰ پوچھا۔ انھوں نے اور دوسرے علماء نے فتویٰ دیا کہ حج کی فرضیت بدستور قائم ہے۔ سمندری خطرات کے باوجود صاحب استطاعت مسلمانوں کو حج کرنا چاہئے۔

اس کے بعد سید احمد شہید بریلوی (۱۸۳۱ - ۱۷۸۶) کے اندر جوش پیدا ہوا۔ انھوں نے حج کو زندہ کرنے کے لئے ایک فوری اقدام کیا۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم حج کے لئے جارہے ہیں۔ جس کا جی چاہے وہ ہمارے ساتھ چلے۔ ہم ہر ایک کے اخراجات کے ذمہ دار ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے مختلف علاقوں میں خطوط روانہ کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً سات سو آدمی ان کے ساتھ جمع ہوگئے۔ اگرچہ اس وقت سید صاحب کے پاس صرف گیارہ روپئے موجود تھے مگر انھوں نے مجاہدانہ عزم کے ساتھ قافلہ کو لے کر سفر شروع کر دیا۔ رائے بریلی سے الٰہ آباد پہنچے۔ وہاں سے گنگا میں چلنے والی کشتیوں کے ذریعہ کلکتہ تک کا سفر کیا۔ اور کلکتہ سے بادبانی کشتیوں کے ذریعہ جدہ کے ساحل پر اترے اور پھر حج ادا کر کے سب کے ساتھ واپس آئے۔ پورے راستہ میں مسلم آبادیاں ان کا تعاون کرتی رہیں۔ اس طرح یہ سفر تکمیل تک پہنچا۔

سید احمد شہید کا یہ پرجوش اقدام قابل تعریف ہے۔ مگر یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا کہ سید صاحب کے اندر اس کا جوش تو پیدا ہوا کہ وہ حج کے فریضہ پر لوگوں کو عمل کرانے کے لئے فوری اقدام کریں۔ مگر ان کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ اس بات کی تحقیق کریں کہ یہ

"سمندری قزاق" کون ہیں۔ جنھوں نے ہمارے عبادتی سفر کو غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ یہ دوسرا سوال بے حد اہم تھا۔ اور بے حد دور رس نتائج کا حامل تھا۔ مگر انھوں نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔

مزید یہ کہ یہ دوسرا مسئلہ بھی اسی طرح عین دینی عمل تھا جس طرح حج کرنا ایک دینی عمل ہے۔ پہلی چیز اگر فرض ہے تو دوسری چیز سنت۔ انھوں نے فرض پر تو عمل کیا اور سنت کو چھوڑ دیا۔

موجودہ دور میں غیر مسلم اقوام کی طرف سے مسلمانوں کے لئے زبردست مسائل پیدا ہوئے مگر اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی مسلم وفد نے تحقیق حال کے لئے ان علاقوں کا سفر کیا ہو یا ان کی خبریں فراہم کرنے کے لئے کوئی ادارہ قائم کیا گیا ہو۔

سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت تتبع اخبار ہے۔ یعنی فریق مخالف کی سرگرمیوں اور منصوبوں کا خاموشی سے پتہ لگانا۔ یہ وہی چیز ہے جس کو موجودہ زمانہ میں جاسوسی نظام کہتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کی حکومتیں اپنے جارحانہ عزائم کے لئے جاسوسی کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جاسوسی نظام اس لئے تھا کہ تعمیر اسلام کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کی سرگرمیوں کا پیشگی اندازہ کیا جائے تا کہ بر وقت ان کا توڑ کیا جا سکے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مکہ کے حالات سے مجبور ہو کر، ہجرت کے لئے نکلے تو قریش نے آپ کا پیچھا کیا۔ چنانچہ آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ چند میل کے فاصلہ پر جبل ثور کے ایک غار میں بیٹھ گئے اور وہاں تین دن تک چھپے رہے۔ ان دنوں کے بارہ میں جو واقعات سیرت کی کتابوں میں آتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبد اللہ بن ابی بکر جو نہایت ہوشیار اور سمجھدار نوجوان تھے، ان کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی گئی کہ وہ دن بھر مکہ میں رہیں۔ اور خاموشی کے ساتھ قریش کی باتوں کا پتہ کرتے رہیں۔ پھر رات کو غار ثور میں آ کر آپ کو قریش کے ارادوں اور ان کے منصوبوں سے مطلع کریں۔ اس طرح کر کے وہ دوبارہ اندھیرے ہی میں مکہ واپس چلے جاتے اور صبح سویرے وہاں پہنچ جاتے تا کہ وہ لوگ اس غلط فہمی میں رہیں کہ عبد اللہ بن ابی بکر نے رات مکہ ہی میں گزاری ہے۔ وہ تین دن تک برابر ایسا ہی کرتے رہے۔

اس سلسلہ میں ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں: امر عبد الله بن ابی بکر ان یتسمّع لهما مایقول الناس فیهما (عبد اللہ بن ابی بکر کو یہ ہدایت کی کہ وہ ان دونوں کے لئے مکہ میں سنیں کہ لوگ ان دونوں کے بارہ میں کیا کہتے ہیں) طبرانی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر کی ایک روایت میں

یہ الفاظ ہیں:

وعبد اللّٰہ بن ابی بکر یظل بمکۃ یتطلب الاخبار ثم یاتیھما اذا اظلم اللیل فیخبرھما ثم یدلج من عندھما فیصبح بمکۃ

اور عبد اللہ بن ابی بکر (دن میں) مکہ میں رہ کر خبریں معلوم کرتے۔ پھر جب رات کی تاریکی چھا جاتی تو وہ ان کے پاس (غار ثور) میں آتے اور ان کو خبریں بتاتے۔ پھر اندھیرے میں ان کے پاس سے چلے جاتے اور مکہ میں صبح کرتے (تاکہ قریش کو خبر نہ ہو سکے)

(مزید تفصیل کے لئے: السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد ۲، صفحہ ۲۴۶)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم حفاظت کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔ مگر چوں کہ آپ کے خلاف قریش کے عزائم ختم نہیں ہوئے تھے، آپ نے ان کی خبریں لینے کا سلسلہ بدستور جاری رکھا۔ ہجرت کے فوراً بعد جن سرایا کی روانگی کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے وہ زیادہ تر جاسوسی دستے تھے جو مکہ کے اطراف میں قریش کی سرگرمیوں کا پتہ لگانے کے لئے بھیجے گئے۔ چنانچہ ان دستوں کی روانگی کے وقت آپ ان کو جو ہدایت دیتے تھے اس میں اس قسم کے الفاظ ہوتے تھے: فترصد بھا قریشا وتعلم لنا من اخبارھم (سیرۃ النبی لابن ہشام، الجزء الثانی، صفحہ ۲۲۹) یعنی قریش کی خبر گیری کے لئے بیٹھو اور ہم کو ان کی خبروں سے مطلع کرو۔

فریق مخالف کی تیاریوں اور اس کی سرگرمیوں کا پتہ لگانے کا یہ سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت بتاتی ہے کہ ہمارے یہاں ایک مستقل شعبہ خبروں کی فراہمی کا ہونا چاہئے۔ اس قسم کا شعبہ عام غیر مسلم اقوام کے سلسلے میں بھی ضروری ہے اور ہندستان کے مخصوص حالات میں بھی ضروری ہے۔

ہندستان میں اس شعبہ کا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے احوال کی مستقل خبر گیری کرتا رہے وہ دونوں طرف کی صحیح اطلاع فراہم کرے۔ یہ شعبہ جدید ترین ذرائع کو استعمال کر کے مکمل طور پر باخبر رہے۔ وہ تمام اسلامی مراکز کو اطلاعات فراہم کرے۔ ایک فریق کے بارے میں کوئی غلط خبر پھیلے تو فوراً اس کا مکمل توڑ کیا جائے۔ جب بھی کہیں کوئی غیر ضروری اشتعال پیدا ہو تو فوراً مسلم قیادت حرکت میں آجائے اور اس کو آخری سنگینی تک پہنچنے سے پہلے ابتدائی مرحلہ میں دفن کر دیا جائے۔ جب

بھی ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف سازش کرتا ہو اسلئے تو فوراً اس کی سازش کو بے نقاب کیا جائے اور ہر قسم کے پر امن ذرائع کو اختیار کرکے اسے ابتدائی مرحلہ ہی میں ناکام بنا دیا جائے۔

اس سلسلے میں مراد آباد کے فساد کی مثال لیجئے۔ یہاں مسلمانوں نے غیر مسلموں کی ایک شادی پارٹی کو روکا اور کہا کہ مسجد کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستے سے اپنا جلوس لے جاؤ۔ غیر مسلم اس پر راضی نہیں ہوئے تکرار بڑھتی گئی یہاں تک کہ باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کو مارا اور انھیں بھگا دیا۔

یہ واقعہ ۲۷ جولائی ۱۹۸۰ کو ہوا۔ اس کے بعد دو ہفتہ تک مکمل خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ ۱۳ اگست ۱۹۸۰ کو زبردست فساد ہوا جس میں مسلمانوں کی معاشیات تباہ کر دی گئیں مسلمانوں کا کہنا ہے کہ ۱۳ اگست ان کی عید کا دن تھا۔ اس روز مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد عیدگاہ میں جمع تھی۔ چنانچہ پیشگی منصوبہ کے تحت عیدگاہ میں خنزیر داخل کیا گیا۔ یہاں پہلے سے غیر مسلم لڑکے مسلمانوں کے لباس میں عیدگاہ کے اندر بٹھا دئے گئے تھے۔ انھوں نے خنزیر کے داخل ہوتے ہی پتھراؤ شروع کر دیا اور پولیس کے حفاظتی دستہ کو بھی مارا۔ اس طرح اشتعال پیدا ہوا اور فساد پھوٹ پڑا۔

مگر سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا کہ ۲۷ جولائی سے لے کر ۱۳ اگست تک مسلمانوں کے خلاف تیاری کی گئی مگر شہر کے مسلمانوں کو آخر وقت تک اس کی اطلاع نہ ہو سکی۔ اسی بے خبری میں اس سوال کا جواب چھپا ہوا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ پچھلے پچاس سال سے مسلمان ایک ہی شکایت لئے بیٹھے ہیں۔ وہ آج تک اس کا علاج نہ کر سکے۔ وہ یہ کہ ان کے خلاف منصوبہ بند فساد کرائے جاتے ہیں۔ یہ دنیا مقابلہ کی دنیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دوسرے لوگ اگر منصوبہ بند فساد کے قصوروار ہیں تو مسلمان اس کے قصوروار ہیں کہ وہ اپنے خلاف منصوبوں سے اس وقت تک باخبر نہیں ہوتے جب تک وہ اپنے آخری انجام کو نہ پہنچ جائیں۔ فساد کے بعد تمام مسلم قائدین تیز رفتار سواریوں پر دوڑتے ہیں تاکہ وہ حکومت کے ذمہ داروں سے مل کر انھیں فسادیوں کی تخریب کاری کی اطلاع دے سکیں۔ اس قسم کی سرگرمیاں سراسر بے فائدہ ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ ہماری قیادت کو فسادیوں کے منصوبہ کی پیشگی طور پر مکمل اطلاع ہو جائے اور وہ حادثہ سے پہلے ذمہ داروں کو باخبر کرنے کے لئے سرگرم ہو جائیں۔ اور اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی تربیت کے لئے۔

فساد کی روک تھام کے لئے ہمیں جو کچھ کرنا ہے اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فراہمی اخبار کی سنت کو زندہ کیا جائے محض شکایت اور احتجاج کرتے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے یہاں خبروں کی فراہمی کا شعبہ حقیقۃً جنگ کا شعبہ نہ تھا بلکہ وہ تمام تر امن کا شعبہ تھا۔ یعنی اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے جارحانہ عزائم سے پیشگی طور پر باخبر ہو کر اس کو ناکام بنانا تاکہ اسلام کی دعوتی اور تعمیری سرگرمیوں کو خلل اندازی سے بچایا جاسکے۔

یہی موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا اصول ہونا چاہئے۔ ان کے یہاں اعلیٰ پیمانہ پر خبروں کی فراہمی کا شعبہ ہو۔ مگر اس لئے نہیں کہ جب کسی فریق کی طرف سے تشدد کے سامان جمع کرنے کی خبر ملے تو ہم بھی تشدد کے سامان جمع کرنے میں لگ جائیں۔ موجودہ حالات میں اس قسم کی ہر کوشش صرف خودکشی کے ہم معنی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے یہاں خبروں کی فراہمی کے شعبہ کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ جب بھی کسی "سازش" کی خبر ملے تو اس کو حکمت سے دفع کیا جائے "آگ" کو "پانی" کے ذریعہ بجھانے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ اور یہ یقینی طور پر ممکن ہے۔ اس سے زیادہ ممکن اور کوئی چیز خدا کی اس دنیا میں نہیں۔

آزمودہ حل

رابرٹ ملتھوف (Robert Multhoff) کا ایک بہت بامعنی قول ہے۔ اس نے کہا کہ جو شخص تعمیم کو پسند کرتا ہے وہ عموماً جھوٹ بولتا ہے:

He who likes to generalize generally lies.

ایک تنہا واقعہ کو اگر آپ عمومی انداز میں بیان کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ استثنار کو عموم کی حیثیت دے رہے ہیں۔ ایک حادثہ جو کسی اتفاقی سبب سے پیش آیا ہے اس کو سماج کی عام حالت قرار دے رہے ہیں۔ ایسا آدمی ہمیشہ جھوٹ کی فضا میں رہتا ہے۔ وہ نہ کبھی سچائی کو پاتا اور نہ معاملہ کے سچے حل کو۔

ہمارے بہت سے اخبارات ہیں جن میں آپ کو اس قسم کی سرخیاں پڑھنے کو ملیں گی ــــــ ہندستان میں فرقہ وارانہ فساد، علی گڑھ میں فرقہ وارانہ فساد، حیدرآباد میں فرقہ وارانہ فساد۔ اس قسم کی خبریں صحیح ہونے کے باوجود ہمیشہ غلط ہوتی ہیں۔ وہ آدھی سچائی ہوتی ہیں نہ کہ پوری سچائی۔ کیوں کہ کوئی فساد کبھی پورے ملک یا پورے شہر میں نہیں ہوتا۔ مگر ہمارے لکھنے اور بولنے والے ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جس سے بظاہر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ پورا ملک یا پورا شہر فرقہ وارانہ فساد کی زد میں آگیا ہے۔

جب بھی کہیں فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے تو وہ نہ سارے ہندستان میں ہوتا اور نہ کسی پورے شہر میں۔ مثلاً اس قسم کے فساد تقریباً سب کے سب ہندستان کے شمالی حصہ میں ہوتے ہیں۔ ہندستان کا جنوبی حصہ ہمیشہ اس سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح مثلاً علی گڑھ میں فساد ہوا تو وہ پرانے شہر میں ہوا۔ سول لائن کے علاقہ میں کوئی فساد نہیں ہوا۔ اسی طرح حیدرآباد کا فساد قدیم حیدرآباد کے علاقہ میں ہوا۔ نیا حیدرآباد اس سے بچا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا قسم کی خبریں ہمیشہ "جھوٹ" ہوتی ہیں۔ اور یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ ہمارے قائدین آج تک اس مسئلہ کا سچا حل دریافت نہ کرسکے۔ چونکہ اپنے ذہن کے مطابق وہ "پورے" ملک یا "پورے" شہر میں فساد فرض کئے ہوئے ہیں اس لئے ان کو وہ غیر فساد زدہ حصہ نظر نہیں آتا جہاں فساد نہ ہونے کے اسباب کی تحقیق کرکے وہ اس کے مطابق فساد زدہ حصہ کو فساد سے بچانے کی تدبیر کرسکیں۔

ایک ہی شہر کے ایک حصہ میں فساد ہو اور اسی شہر کے دوسرے حصہ میں فساد نہ ہو تو یقیناً

یہ سوچنے کی بات ہے کہ یہ فرق کیسے واقع ہوا۔ اس فرق کا راز دریافت کرکے ایسا کیا جا سکتا ہے کہ محفوظ حصہ کے تجربہ کو غیر محفوظ حصہ میں دہرایا جائے۔ جس طرح ایک حصہ فساد سے بچا ہے اسی طرح دوسرے حصہ کو بھی فساد سے بچایا جائے۔

ہمارے تمام قائدین تعمیم (Generalization) کے جھوٹ میں مبتلا ہیں۔ یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ وہ اس نازک مسئلہ کا سچا حل دریافت نہ کر سکے۔

تعمیم سے بچ کر خالص حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندستان دو ہندستان کا نام ہے۔ اسی طرح علی گڑھ بھی دو علی گڑھ ہے اور حیدر آباد بھی دو حیدر آباد۔ ایک ملک دو ملک کیسے بنا اور ایک شہر دو شہر کیوں کر ہوگیا۔ اسی سوال کے جواب میں یہ راز چھپا ہوا ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کیسے ہوتے ہیں اور کس طرح ان کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

ایک مقام کے ایک حصہ میں فساد ہو اور عین اسی زمانہ میں اس مقام کا دوسرا حصہ فساد سے بچا رہے تو ہم کو چاہئے کہ فساد کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے فساد نہ ہونے والے حصہ کا مطالعہ کریں اور وہاں فساد نہ ہونے کے اسباب کو جان کر اسی کو اس دوسرے حصہ میں رائج کریں جہاں فساد ہوا ہے۔ موجودہ حالات میں یہی فساد کے مسئلہ کے مطالعہ کا فطری طریقہ ہے اور یہی اس مسئلہ کے حل کی آسان ترین تدبیر بھی۔

شمالی ہندستان اور جنوبی ہندستان میں کیا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ "دو قومی" سیاست سب سے زیادہ شمالی ہندستان میں چلائی گئی۔ جب کہ جنوبی ہندستان کا علاقہ اس قسم کی تفریقی سیاست سے بڑی حد تک محفوظ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شمالی ہندستان میں فرقہ وارانہ کش مکش کی فضا پائی جاتی ہے۔ جب کہ جنوبی ہندستان میں اس قسم کی فضا تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح علی گڑھ کے شہری علاقہ اور سول لائن کے علاقہ میں کیا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ شہری علاقہ میں جاہلوں کی اکثریت ہے اور سول لائن میں تمام کے تمام پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ قدیم حیدر آباد اور جدید حیدر آباد میں کیا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ جدید حیدر آباد میں سب کے سب خوش حال لوگ بستے ہیں اور قدیم حیدر آباد میں کثرت سے غریب لوگ آباد ہیں۔

اس مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کس قسم کے حالات میں فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے اور کس قسم کے حالات میں وہ نہیں ہوتا۔ اب فسادات کو ختم کرنے کی آزمودہ تدبیر یہ ہے کہ شمالی ہند میں جنوبی ہند کے مانند حالات پیدا کئے جائیں۔ مسلمان اپنی طرف سے ان تمام اسباب کو ختم کر دیں جو دونوں فرقوں میں کش مکش اور تناؤ کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً حقوق کے مطالبے، احتجاجی سیاست اور مسجد اور مندر

کے جھگڑے کھڑے کرنا وغیرہ۔ اسی طرح یہ کیا جائے کہ "قدیم شہر" میں "جدید شہر" کے حالات پیدا کئے جائیں۔ یعنی اقلیتی فرقہ کے افراد کو زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ بنایا جائے۔ ان کی اقتصادیات کو بہتر بنانے کی کوششیں کی جائیں۔ انھیں چیزوں نے ملک کے ایک حصہ میں فساد کو روک رکھا ہے اور یہی چیزیں اس ملک کے دوسرے حصہ میں بھی فساد کو روک سکتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کو ختم کرنے کے لئے ہمیں کوئی نیا حل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف یہ کرنا ہے کہ اسی آزمودہ تدبیر کو فساد زدہ علاقہ میں بھی استعمال کریں جو غیر فساد زدہ علاقہ میں آج بھی فرقہ وارانہ فساد کے خلاف ڈاٹ بنی ہوئی ہے۔

ایک مثال

یہاں میں اضافہ کروں گا کہ فساد کے مسئلہ کا مذکورہ حل ہر شخص کو معلوم ہے۔ حتی کہ ہر شخص اس وقت اسی طریقہ پر عمل کرتا ہے جب کہ اس کا اپنا مفاد خطرہ میں پڑ گیا ہو۔ مگر وہی شخص جب ملت کے اسٹیج پر آتا ہے تو اس طرح پر جوش تقریر شروع کر دیتا ہے جیسے کہ ٹکراؤ اور مقابلہ کے سوا مسائل کا کوئی حل ہی نہیں۔

اس تضاد کی سادہ سی وجہ سستی قیادت کی تلاش ہے۔ زوال یافتہ قوم میں عمل کی طاقت نہیں ہوتی۔ وہ بڑے بڑے الفاظ بول کر اس کے پردہ میں اپنی بے عملی کو چھپاتے ہیں۔ ایسی قوم کے اندر قیادت اور مقبولیت حاصل کرنے کا سب سے آسان راز یہ ہوتا ہے کہ شاندار الفاظ بولے جائیں۔ شاعری اور خطابت کا دریا بہایا جائے۔ چنانچہ ہمارے تمام قائدین اسی قسم کے نمائشی الفاظ بولنے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ صرف سطحیت ہے اور سطحی قیادت ہمیشہ قوم کے لئے بہت مہنگی پڑتی ہے۔ کسی نے بالکل درست کہا ہے:

The cheaper the politician, the more he costs his country.

یہاں میں ایک مثال دوں گا۔ ہندستان کا ایک بین اقوامی شہرت رکھنے والا اسلامی ادارہ ہے۔ اس ادارہ کے ذمہ داروں نے ہندستان کی سیاست میں بزعم خود ایک قائدانہ رول ادا کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے مسئلہ کا یہ حل پیش کیا کہ وہ خطرہ مول لینے کی بہادری دکھائیں۔ اور اپنے حریف کو نقصان پہنچا کر اپنے لئے زندگی کا حق وصول کریں۔ انھوں نے کہا کہ قوموں کو کبھی یہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ دوسروں کو سبق سکھانے کے لئے اپنی اہلیت ضرر کا ثبوت دیں۔ ہندستان کے مسلمانوں کو یہی کرنا ہے۔ مسلمان جب تک یہ نہ دکھائیں کہ وہ نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں اس وقت تک ملک میں ان کے لئے باعزت زندگی کا حق تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

اس نقصان رسانی کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ ملک کے انتخابات (۱۹۶۷) میں اپوزیشن پارٹیوں کے

ساتھ مل کر حکمراں پارٹی (کانگریس) کو شکست دی جائے۔ یہ حل اتنا پسند کیا گیا کہ مسلمانوں کی بھیڑ کی بھیڑ اس کے پیچھے دوڑ پڑی اور ۶۷-۱۹۶۶ میں مذکورہ اسلامی ادارہ ہندستان کی مسلم سیاست کا مرکز بن گیا۔

یہ مذکورہ اسلامی ادارہ کا وہ حل تھا جو اس نے ملت کے مسائل کے لئے پیش کیا تھا۔ مگر اسی ادارہ میں اس کا اپنا مسئلہ پیدا ہوا تو اس کے لئے اس نے بالکل مختلف انداز اختیار کیا۔ ملّت کے مسئلہ کا حل ضرر رسانی میں تھا اور اپنے مسئلہ کا حل تالیف قلب میں۔ یہ واقعہ ۱۹۷۴ میں پیش آیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ عظیم اسلامی ادارہ ہندستان کے جس شہر میں واقع ہے وہیں ایک بڑی یونی ورسٹی بھی قائم ہے۔ یہ یونیورسٹی ادارہ سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا ایک ہوسٹل مذکورہ ادارہ کی دیوار سے ملا ہوا ہے۔

یہ پڑوس اس اسلامی ادارہ کے لئے ایک مستقل مسئلہ تھا۔ یونی ورسٹی ہاسٹل کے لڑکے جو سب کے سب غیر مسلم تھے، مستقل طور پر اسلامی ادارہ کے لوگوں کو پریشان کرتے، وہ گالی دیتے، پتھر پھینکتے، مذاق اڑاتے اور طرح طرح کی دوسری حرکتیں کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلامی ادارہ کے لوگ مشتعل ہو کر جوابی کارروائی کریں تاکہ انھیں ادارہ کو جلانے اور پھونکنے کا موقع مل جائے۔

یہ صورت حال کئی سال تک باقی رہی۔ اس درمیان میں حکومت کے ذمہ داروں سے شکایات کی گئیں، پولیس بلائی گئی، مگر کسی طرح مسئلہ حل نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد درس گاہ کے ذمہ داروں نے ایک حکیمانہ تدبیر اختیار کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسئلہ حل ہو گیا۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی ادارہ کے ذمہ داروں نے پتہ لگایا کہ یونیورسٹی ہاسٹل کے لیڈر طلبہ کون ہیں۔ ان سے ملاقات کر کے انھیں اپنے یہاں چائے پر بلایا گیا۔ ان سے نرم باتیں کی گئیں۔ ان کو تحفے پیش کئے گئے اور پھر یہ تجویز رکھی گئی کہ یونیورسٹی کے طلبہ اور ادارہ کے نوجوانوں کے درمیان ہاکی میچ ہو۔ تجویز منظور ہو گئی۔

اب اسلامی ادارہ کے ذمہ داروں نے یہ کیا کہ ادارہ کے ہوشیار کھلاڑیوں کی ایک ٹیم بنائی۔ اور ان کو پیشگی طور پر یہ سمجھا دیا کہ تم کو یہ میچ جیتنے کے لئے نہیں کھیلنا ہے بلکہ اس لئے کھیلنا ہے کہ تم ہار جاؤ۔ منصوبہ یہ تھا کہ بالقصد یونی ورسٹی کے طلبہ کو کھیل میں جتایا جائے تاکہ انھیں ہیرو بنانے اور ان کی تالیف قلب کرنے کا پورا موقع ملے۔

مقررہ تاریخ کو دونوں کے درمیان میچ ہوا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق اسلامی ادارہ کے نوجوان خراب کھیل کھیلے اور یونی ورسٹی ہاسٹل کے لڑکوں کو موقع دیا کہ وہ بہتر کھیل کھیل کر میچ جیتیں۔ چنانچہ

یہی ہوا اور یونیورسٹی کے طلبہ "شاندار طور پر" کامیاب ہوگئے۔ اب پیشگی منصوبہ کے مطابق ان کو خوب اچھالا گیا۔ مختلف طریقوں سے ان کی تالیف قلب کی گئی۔ ان کو دل کھول کر انعامات دئے گئے۔ ان کا پیر وانہ استقبال کیا گیا۔ وغیرہ

یونیورسٹی ہاسٹل کے طلبہ اپنی برتری چاہتے تھے۔ اسلامی ادارہ کے لوگوں نے اپنے مذکورہ عمل سے ان کے جذبات برتری کو پوری طرح تسکین دے دی۔ اب مسئلہ اپنے آپ حل تھا۔ یونی ورسٹی کے طلبہ نے اس کے بعد کبھی اسلامی ادارہ کے لوگوں کو پریشان نہیں کیا۔

مذکورہ واقعہ اپنی نوعیت کی ایک شاندار مثال ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ اپنے ذاتی معاملہ میں تالیف قلب کے اصول پر مسئلہ کو حل کرتے ہیں وہ ملّت کے معاملہ میں اس کے برعکس تقریریں کیوں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذاتی مسئلہ کو وہ حل کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اور ملّت کے مسئلہ کو قیادت کے نقطہ نظر سے۔ ملت کے معاملہ میں اگر وہ اس اصول کی تلقین کریں تو ان کی قیادت اور مقبولیت اچانک ختم ہو جائے۔ ملت کے معاملہ میں اس تدبیر کو صرف قیادت کی قیمت پر پیش کیا جا سکتا ہے اور بدقسمتی سے ہمارے قائدین میں کوئی یہ حوصلہ دکھانے کے لئے تیار نہیں۔

تاہم یہ یقینی ہے کہ اس مسئلہ کا دوسرا کوئی حل نہیں۔ اپنے ذاتی معاملہ میں آپ جس حکیمانہ تدبیر پر عمل کرتے ہیں اسی کو ملّت کے معاملہ میں بھی اختیار کیجئے۔ اور اس کے بعد ملک میں کبھی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوگا۔

حال میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ ایک ایسے مقام سے آتے تھے جہاں ہولناک فساد ہوا تھا۔ اور تین دن کے اندر مسلمانوں کا کروروں روپیہ کا نقصان ہوگیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ میں اس شہر میں پچھلے ۳۰ سال سے رہ رہا ہوں۔ مگر وہاں آج تک ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا جیسا اس بار تین دن کے اندر ہوگیا۔ اس کے بعد حسب معمول، وہ ایک خاص فرقہ کو برا بھلا کہنے لگے۔

میں نے کہا کہ آپ کے شہر میں تین دن کے اندر جو فساد ہوا اس کے بارہ میں تو آپ بہت کچھ سوچتے ہیں مگر یہ بھی تو سوچئے کہ اس سے پہلے ۳۰ سال تک فساد نہیں ہوا تو کیوں نہیں ہوا۔ کیا تین دن کے واقعہ میں آپ کے لئے سبق ہے اور ۳۰ سال کے واقعہ میں آپ کے لئے کوئی سبق نہیں۔

پھر میں نے کہا کہ یہ کسی خاص فرقہ کی بات نہیں بلکہ ہر شخص اور ہر فرقہ کی بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر آدمی کے اندر ایک شیطان سویا ہوا ہے جس کا نام "غصہ" ہے۔ غصہ کے شیطان کو جب تک آپ سویا رہنے دیں آپ امن وامان کے ساتھ رہیں گے۔ مگر جب آپ کوئی اداتی کر کے اس شیطان کو جگا دیں تو پھر وہ اپنے

مقابل کو نقصان پہنچانے کے لئے وہ سب کچھ کر ڈالنا چاہتا ہے جو اس کے بس میں ہے۔ یہ واقعہ آپ مسلم اور مسلم کے درمیان بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اور مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی۔

ایک لفظ میں یہی تمام فسادات کی جڑ ہے۔ فساد ہمیشہ غصہ اور انتقام کے جذبہ کے تحت پیدا ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص خدا نے ایسا پیدا نہیں کیا جس کی عام حالت غصہ اور انتقام کی ہو۔ یعنی وہ ہر وقت بس غصہ اور انتقام سے بھرا رہتا ہو۔ غصہ اور انتقام وقتی کیفیات کا نتیجہ ہیں نہ کہ مستقل کیفیات کا نتیجہ۔ اگر یہی آدمی کی عام اور معمولی کیفیت ہوتی تو ہر وقت فساد ہوتا رہتا اور کبھی ایک دن کے لئے بھی امن وامان نظر نہ آتا۔ کجا کہ ۳۰ سال تک فساد نہ ہو۔

جاہلوں کی جہالت سے اعراض کرنے کا حکم جو اسلام میں دیا گیا ہے اس کی مصلحت یہی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایسے موقع کو ٹالا جائے "اعراض" کا اسلامی اصول ہر قسم کے فساد سے بچنے کی سب سے زیادہ کامیاب تدبیر ہے۔ مگر اس تدبیر کو اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنی سرکشی کو ختم کر کے اپنے آپ کو خدا کی مرضی کا پابند بنائے۔ ورنہ وہ اپنی سرکشی کے تحت دوسروں کے انا کو جگا کر فساد کروائے گا۔ اور جب فساد ہو چکا ہو گا تو خود معصوم بن کر دوسروں کو برا بھلا کہنا شروع کر دے گا۔

فسادات کا مسئلہ

فرقہ وارانہ فسادات کا مسئلہ ہمارے قائدین کی سب سے زیادہ توجہ کا مرکز رہا ہے۔ پچھلے ۳۵ سال میں ہماری قیادت نے جس واحد مسئلہ پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے وہ یہی مسئلہ ہے۔ ہر بار جب کوئی فساد ہوتا ہے تو مسلمانوں کے تمام لکھنے اور بولنے والے لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تقریریں کی جاتی ہیں۔ بیانات جاری ہوتے ہیں۔ ریلیف فنڈ قائم ہوتے ہیں۔ غرض سرگرمیوں کا ایک طوفان امنڈ پڑتا ہے۔ ان فسادات کے سلسلہ میں ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ اگر یہی ہو جواب تک ہوتا رہا ہے تو یہ کام اس ملک میں اتنے بڑے پیمانہ پر ہو چکا ہے کہ اب تک فسادات کا خاتمہ ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر عملی صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ موجودہ کوششوں کی یہ ناکامی آخری طور پر ثابت کر رہی ہے کہ یہ مسئلہ کا حل نہیں۔ اگر وہ اس کا حل ہوتا تو ۳۵ سال کی مدت کافی تھی کہ اس کا کوئی مفید مطلب نتیجہ برآمد ہو۔ یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ ہم اس معاملہ پر از سر نو غور کریں اور اپنے طریق عمل کو دوبارہ نئے ڈھنگ سے مرتب کریں۔

فسادات کا پس منظر

ہمارے ملک میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں، عام طور پر ان کے آغاز میں ایک چھوٹا سا واقعہ ہوتا ہے۔ ایک چھوٹے واقعہ پر ہیبت ناک فساد کا پیدا ہو جانا اتفاقاً نہیں ہوتا۔ اس کے تاریخی اور نفسیاتی اسباب ہیں۔ ہم خواہ اس کو مانیں یا نہ مانیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ پڑوسی قوم میں ہمارے خلاف مستقل طور پر ایک حریفانہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب تقسیم کی سیاست ہے۔ ملک کی تقسیم بجائے خود برادران وطن کو مشتعل کرنے کے لئے کافی تھی۔ مزید یہ کہ تقسیم اس ڈھنگ سے ہوئی کہ تقسیم ہو کر بھی بہت سے نازک مسائل غیر حل شدہ حالت میں باقی رہ گئے۔ اس طرح کے مختلف تاریخی اسباب ہیں جنھوں نے برادران وطن کو مسلسل طور پر ہمارے خلاف مشتعل کر رکھا ہے۔ گویا ایک لاوا ہے جو دلوں میں چھپا ہوا ہے اور کوئی موقع پاتے ہی اچانک پھٹ پڑتا ہے۔

مجھے تسلیم ہے کہ کوئی شخص معقول بنیادوں پر یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ تقسیم کی تحریک خود بھی فریق ثانی کے کسی عمل کا ردعمل تھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس دعوے کا عملی فائدہ کیا ہے۔ اس قسم کے دعوے کی اہمیت اس وقت ہوتی ہے جب کہ کسی مسئلہ کا صرف منطقی تجزیہ کرنا مقصود ہو، آدمی کے حقیقی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ مگر جب کوئی معاملہ فوری زندگی کا معاملہ بن جائے تو ہر عقل مند آدمی کا یہ طریقہ ہے کہ وہ منطقی سلسلہ کو توڑ کر عملی پہلو کو سامنے رکھتا ہے تاکہ وہ اپنے عملی اقدام کے بارے میں کوئی فیصلہ لے سکے۔ دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے کی بحث کو اگر لمبا کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم اپنے اقدام کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکیں گے اور اصل مسئلہ بدستور اپنی جگہ باقی رہے گا۔ چھری اگر خربوزہ کی سطح تک پہنچ چکی ہو تو اس وقت منطق کی عدالت میں چھری کو ملزم ٹھہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایسے وقت میں اپنے کو فریق ثانی کی زد سے ہٹانے کا سوال ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کی دنیا میں فریق ثانی کو ذمہ دار ثابت کرنے کا۔ یہ ایک معلوم اور مسلمہ حقیقت ہے کہ کبھی منطقی تقاضے کے مقابلہ میں عملی پہلو زیادہ اہم ہوتا ہے، اور زیر بحث معاملہ میں صورت حال بلاشبہ یہی ہے۔

شہر کی ایک عمارت میں ایک مسلمان نے نیچے کا حصہ کرایہ پر لیا۔ کچھ دن کے بعد اس نے محسوس کیا کہ چھت ٹپک رہی ہے۔ اوپر کے حصہ میں جو صاحب رہتے تھے ان کا غسل خانہ ٹپکنے لگا تھا۔ مستقل پانی کا ٹپکنا ایک مصیبت تھا۔ مزید یہ کہ یہ گندا پانی تھا، کیونکہ غسل خانہ اور بیت الخلا دونوں ایک ساتھ ملے ہوئے تھے۔ نیچے والے نے اوپر والے سے کہا تو انھوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس نے محلہ والوں سے کہا اور اپنی مصیبت ان کو دکھائی۔ مگر انھوں نے بھی کوئی دردمندی ظاہر نہ کی۔ ایک شخص نے کہا "بھائی، ہمارے شہر کا رواج تو یہ ہے کہ جس کے سر پر ٹپکے وہ بنوائے"۔ کرایہ دار نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں۔ اصول یہ ہونا چاہئے کہ "جو ٹپکائے وہ بنوائے"۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ اس کے دلائل بے زور ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ سارے لوگ مسلمان تھے۔ اس نے قرآن و حدیث کے احکام سنائے مگر قرآن و حدیث کے الفاظ بھی ان کے دل کو پگھلانے کے لئے کافی ثابت نہ ہوئے۔ کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ تم ان کے خلاف نوٹس دو اور مقدمہ قائم کرو۔ مگر اس نے غور کیا تو مقدمہ کے اخراجات اور اس کی مدت اتنی زیادہ تھی کہ عملاً اس کے لئے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ بالآخر اس نے اپنے پاس سے خرچ کر کے خود اس کو بنوا دیا۔

یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذاتی معاملہ میں آدمی کیا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ذاتی معاملہ میں ہر آدمی یہ کرتا ہے کہ وہ اس بحث میں نہیں پڑتا کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔ وہ جانتا ہے کہ موجودہ دنیا میں دلیل سے زیادہ کمزور کوئی چیز نہیں۔ دلیل سے خواہ کتنے ہی بڑے پیمانہ پر کسی کو ملزم ثابت کر دیا جائے عملاً اس سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا کیونکہ آج کی دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جو دلیل کے آگے اپنے کو جھکا دے۔ اس سلسلہ میں مسلمان اور غیر مسلمان حتی کہ دین دار اور بے دین کا بھی کوئی فرق نہیں۔ یہ بات اپنے ذاتی معاملہ میں ہر شخص جانتا ہے۔ اس لئے جب کوئی ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر "پانی اپنے سر پر ٹپکتا ہے"، تو وہ فوراً جان لیتا ہے کہ دلیل اور بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ اپنے آپ پر ذمہ داری لیتے ہوئے فوراً یہ کرتا ہے کہ معاملہ کو خود درست کر لیتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ زندگی کا یہی سادہ اصول ملت کے معاملہ میں کوئی شخص اپنانے کے لئے تیار نہیں۔ ملت کا سوال آتے ہی ہر شخص اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ وہ فریق ثانی کو ملزم ثابت کرے۔ یہ سنگین واقعہ بھی لوگوں کے ہوش میں کوئی کمی نہ کر سکا کہ ۳۵ سالہ کوشش کے باوجود ابھی تک اس طریق عمل کا کوئی فائدہ نہیں نکلا۔

یہ صورت حال اتفاقاً نہیں۔ اس کے گہرے اسباب ہیں۔ دوسرے کو ملزم ٹھہرانا سب سے آسان کام ہے اور خود ذمہ داری قبول کرنا اس کے مقابلہ میں اتنا ہی مشکل ہے۔ دوسرے کو ملزم ٹھہرانا ہو تو الفاظ بول کر ذمہ داری ادا ہو جاتی ہے۔ مگر جب آدمی خود ذمہ داری قبول کرے تو پھر عمل اور جدوجہد کے طویل تقاضے سامنے آجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے قائدین صرف الفاظ بول کر قیادت کا کریڈٹ لینا چاہتے ہیں۔ وہ کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر وہ فی الواقع کرنے کی تڑپ رکھتے تو ان کا انداز بالکل دوسرا ہوتا۔

زندگی کا راز یہ ہے کہ حالات کے اندر موجود عوامل کو استعمال کیا جائے۔ اور حالات کے غیر معمولی بگاڑ کے باوجود یہاں ایسے عوامل موجود ہیں جن کو ہم اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دو فریقوں کے درمیان

خواہ کتنی ہی تلخ یادیں ہوں، زندگی کے روزمرہ کے مسائل ان پر غالب آجاتے ہیں۔ برادران وطن کے معاملہ میں اس عامل کی اور بھی زیادہ اہمیت ہے۔ کیونکہ "زر" ان کے نزدیک معبود کا درجہ رکھتا ہے۔ ان کا ہر آدمی سب سے زیادہ جس چیز کو پانا چاہتا ہے وہ دولت ہے۔ ان کی خوش قسمتی سے ملک میں دولت حاصل کرنے کے تمام بڑے ذرائع پر ان کا مکمل قبضہ ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ خود مسلمان ان کی دولت کی فراہمی کے عمل میں ایک معاون پرزہ کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ یہ اس ملک میں فساد کے خلاف سب سے بڑا روک ہے۔ کیونکہ فساد کاروبار کے سارے نظام کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ پھر جن لوگوں کا اصل مقصد پیسہ کمانا ہو وہ اپنے ملے ہوئے مقصد کو خود اپنے ہاتھوں ویران کرنا کیوں پسند کریں گے۔

مراد آباد کی مثال لیجئے جہاں اگست ۱۹۸۰ میں بھیانک فساد ہوا۔ مراد آباد ایک صنعتی شہر ہے، یہاں سے سالانہ تقریباً ۶۰ کروڑ روپے کا سامان تیار ہو کر باہر جاتا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ سامان بنانے کا کام سب کا سب مسلمان کرتے ہیں۔ مگر کاروبار عملاً دوسرے فرقہ کے ہاتھ میں ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ خام مال کی سپلائی اور تیار شدہ سامان کی فروخت دونوں کام کا تقریباً ۹۰ فی صد حصہ دوسرے فرقہ کے قبضہ میں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ کارخانوں میں دھوئیں اور گندگی کے درمیان ساری مشقت مسلمان اٹھاتے ہیں اور دوسرا فرقہ ان کی محنت کے بل پر کروڑوں روپے کما رہا ہے۔ ایک زر پرست قوم کو اس کا مطلوب جب اتنے شاندار طریقہ پر مل رہا ہو تو وہ آخر فساد کیوں چاہے گی۔ وہ بازار کو ویران کر کے اپنے ملتے ہوئے فائدہ کو بھنگ کس لئے کرے گی۔

اس کے باوجود اس ملک میں فساد ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۴۷ سے لے کر اب تک تقریباً ۱۰ ہزار فسادات ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ بالکل سادہ ہے۔ وہ یہ کہ ہر آدمی دو آدمی ہوتا ہے۔ ایک غصہ دلانے سے پہلے، دوسرا غصہ دلانے کے بعد۔ بظاہر سیدھا سادا آدمی بھی غصہ میں آنے کے بعد بھیڑیا بن جاتا ہے۔ یہ فرق ہر آدمی میں پایا جاتا ہے۔ پھر جب کسی اشتعال انگیز واقعہ کے بعد اس شخص یا گروہ کا "دوسرا انسان" جاگ اٹھے جس کے اندر فریق ثانی کے لئے پہلے سے نفرت کے اسباب چھپے ہوئے تھے اور وہ اس کے مقابلہ میں طاقتور بھی ہو تو اس کے بعد وہ جو کچھ کرے گا وہ وہی ہوگا جس کا نمونہ ہم پچھلے ۳۵ سال سے دیکھ رہے ہیں۔

زر پرستی آدمی کے اندر انفرادیت پیدا کرتی ہے۔ اس لئے ایک شخص کی طرف سے کسی کے خلاف ابتدائی اشتعال کا واقعہ پیش آنے کے بعد بھی شاید ایسا نہ ہوتا کہ ایک فرقہ میں عمومی سطح پر اشتعال و انتقام کی فضا پیدا ہو جائے۔ مگر یہاں بقیہ کمی کو سیاسی لیڈر پوری کر دیتے ہیں۔ ہر بار جب الیکشن ہوتا ہے تو فطری طور پر کوئی جیتتا ہے اور کوئی ہارتا ہے۔ اب جو ہارنے والے لیڈر ہیں وہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی موقع ملے تو اس کو ہوا دے کر عمومی فساد کرا دیں۔ تاکہ ایک طرف جیتی ہوئی حکمراں پارٹی کو بدنام کیا جائے اور دوسری طرف ان ووٹروں کو سزا دی جائے جنھوں نے ان کو ووٹ نہیں دیا۔ اور بدقسمتی سے یہ "ووٹ نہ دینے والے" اکثر مسلمان ہی ہوتے ہیں۔ اگر ہر فساد نہیں تو اکثر فساد کے پیچھے یہی الیکشنی سیاست کارفرما ہوتی ہے۔ ایک ایسا ملک جہاں لوگ اپنی مرضی کے خلاف فیصلہ قبول کرنے پر راضی نہ ہوں

وہاں الکشن مسئلہ کو ختم نہیں کرتا بلکہ مسئلہ کو نئی صورت میں زندہ رکھنے کا سبب بن جاتا ہے۔

فساد کیسے ہوتا ہے

کوئی فساد کس طرح شروع ہوتا ہے اور وہ کس طرح بڑھتا ہے، اس کو سمجھنے کے لئے علی گڑھ اور مرادآباد کے فساد کی مثال لیجئے۔ علی گڑھ میں ہر سال دنگل ہوتا ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں حصہ لیتے ہیں۔ اگست ۱۹۷۸ کے دنگل میں مسلم پہلوان کو یہ شکایت ہوئی کہ اس کے ساتھ دھاندلی کی گئی ہے۔ اس کی شکایت کا خاص نشانہ سریش بھورے تھا جس سے اس کی پہلے سے بھی رقابت چلی آرہی تھی۔ دنگل کی شکایت کے بعد مسلمان پہلوان نے طے کرلیا کہ سریش بھورے سے انتقام لینا ہے۔ وہ اور اس کے ساتھی اسی فکر میں رہے۔ یہاں تک کہ ۳ اکتوبر ۱۹۷۸ کی شام کو انصار احمد اور اس کے ساتھی سریش بھورے کو اکیلا پا گئے۔ انھوں نے اس کے اوپر چھرے سے حملہ کیا۔ سریش بھورے کو سخت زخمی حالت میں اسپتال لے جایا گیا، جہاں اس نے اپنے قاتلوں کے بارے میں نام زد بیان درج کرایا۔ وہ زخم سے جانبر نہ ہوسکا اور ۵ اکتوبر ۱۹۷۸ کو مر گیا۔

سریش بھورے کا مرنا شہر کے ہارے ہوئے فرقہ پرست لیڈروں کو سنہری موقع ملنا تھا۔ انھوں نے سریش بھورے کا جلوس نکالا اور نعرہ لگایا کہ "خون کا بدلہ خون"۔ انھوں نے اپنی اشتعال انگیز تقریروں سے پورے شہر کی فضا خراب کردی۔ یہاں تک کہ وہ فساد شروع ہوا جس نے علی گڑھ کو خاکستر بنا دیا۔

اب مرادآباد کو لیجئے۔ ۱۹۸۰ کے آغاز میں یوپی اسمبلی کا جو الکشن ہوا اس میں کانگرس آئی کے امیدوار حافظ محمد صدیق بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ جن سنگھ (بھارتیہ جنتا پارٹی) کے امیدوار ڈاکٹر ہنس راج چوپڑہ کو اتنے کم ووٹ ملے کہ ان کی ضمانت ضبط ہوگئی۔ حافظ محمد صدیق کو نہ صرف مسلمانوں کے ووٹ ملے بلکہ ہندوؤں کی بھی ایک بڑی تعداد نے ان کو ووٹ دیا۔ ہارے ہوئے سیاست دانوں کو اس واقعہ کا شدید غم تھا۔ وہ کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ ان کی خوش قسمتی سے جلد ہی ان کو یہ موقع ہاتھ آگیا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۸۰ کو سرائے کشن لال میں مہتروں کی ایک بارات جارہی تھی۔ یہ شام کا وقت تھا اور مغرب کی اذان ہونے والی تھی۔ بارات کے ساتھ ان کے رواج کے مطابق ناچ اور باجا بھی تھا۔ اس وقت چند مسلمانوں نے آگے بڑھ کر بارات کو روکا اور کہا کہ مسجد کے پاس شور بند کرو اور بارات کو دوسرے راستہ سے لے جاؤ۔ بارات والے اس کے لئے راضی نہ ہوئے۔ اس پر تکرار ہوگئی۔ یہاں تک کہ باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی۔ اس لڑائی میں مزید مسلمان شریک ہوگئے۔ وہ مہتروں کا پیچھا کرتے ہوئے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر مہتر بستی تک گئے، وہاں انھوں نے مہتروں کو مارا اور مکانات کو آگ لگائی۔

اب ڈاکٹر ہنس راج چوپڑہ اور ان کے جیسے دوسرے لوگوں کی باری تھی۔ انھوں نے مرادآباد اور اطراف مرادآباد میں اشتعال انگیز تقریریں کرکے فضا کو انتہائی حد تک مکدر کردیا۔ اس کے بعد ۱۳ اگست ۱۹۸۰ عید کا دن تھا۔ اس دن عیدگاہ میں سور کے داخلہ سے مسلمان مشتعل ہوگئے اور انھوں نے پولس پر پتھر مارے۔ فضا تیار تھی۔ اس کے فوراً بعد مکمل پیمانہ پر فساد شروع ہوگیا۔ اور مرادآباد کی مسلم آبادی خاک وخون کی نذر ہوکر رہ گئی۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں

اب دیکھئے کہ اس معاملہ میں قرآن وحدیث کی رہنمائی کیا ہے۔ قرآن میں یہود کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ خدا ان پر غضب ناک ہوا (اوران پر دنیوی سزائیں بھیجیں) ایسا اس لئے ہوا کہ وہ اپنے درمیان برائی کرنے والے کو برائی سے نہ روکتے تھے (کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ، مائدہ ۷۹) حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔ ایک حدیث ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَم یَاخُذُوا عَلیٰ یَدَیہِ اَوشَکَ اَن یَعُمَّہُمُ اللّٰہُ بِعِقَابٍ مِنہُ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

لوگ جب ظلم کرنے والے کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ ان پر اپنی سزا کو عام کردے۔

اس سے معلوم ہوا کہ "اجتماعی فساد" کا سبب ہمیشہ "انفرادی فساد" ہوتا ہے۔ اس لئے اجتماعی فساد کو روکنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ انفرادی فساد کو روکا جائے۔ اس ہدایت کے مطابق مسلم معاشرہ کو اتنا زندہ اور چوکنا رہنا چاہئے کہ اس کا کوئی آدمی اگر کوئی شرارت کرے تو فوراً آس پاس کے لوگ جاگ اٹھیں اور ابتدا ہی میں شریر کا ہاتھ پکڑ لیں۔ معاشرہ کا کوئی فرد اگر کسی آدمی کے ساتھ برائی کرے تو بقیہ لوگ غیر جانب دار بن کر نہ رہ جائیں بلکہ وہ فوراً موقع پر پہنچیں اور برائی کرنے والے آدمی اور اس کی برائی کے درمیان حائل ہو جائیں۔ اگر وہ اس ابتدائی موقع پر بے تعلق ہو کر بیٹھ جائیں گے تو اس کے بعد یہ ہوگا کہ ایک آدمی کی شرارت ایسے عمومی فتنے برپا کرے گی جس کی لپیٹ میں پوری قوم آجائے گی۔

مذکورہ اسلامی ہدایت براہ راست طور پر آج کل کے فسادات پر چسپاں ہوتی ہے۔ مسلمان اپنی بڑھی ہوئی جذباتیت کی وجہ سے اکثر یہ غلطی کرتے ہیں کہ ایک معمولی بات کو برداشت نہیں کر پاتے اور دوسرے سے لڑ جاتے ہیں۔ یہ "دوسرا"، اگر خود اپنی قوم کا آدمی ہے تو اس کا نقصان اکثر ایک آدمی یا ایک خاندان تک محدود رہتا ہے۔ لیکن یہ دوسرا آدمی اگر دوسرے فرقہ سے تعلق رکھتا ہو تو ایک مسلمان کی جذباتی کارروائی فوراً پوری قوم کو مشتعل کر دیتی ہے۔ موقع پرست لیڈر اشتعال انگیز تقریریں کر کے اس کو فرقہ وارانہ مسئلہ بنا دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد ایسا فساد برپا ہوتا ہے جو پوری کی پوری آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے —— علی گڑھ اور مراد آباد کا مذکورہ واقعہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات اس کا عملی ثبوت ہیں۔

چونکہ فسادات اکثر اُن مقامات پر ہوتے ہیں جہاں مسلمان اقتصادی اعتبار سے نسبتاً بہتر ہیں۔ اس لئے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کی اقتصادیات کو برباد کرنے کی منظم سازش کے تحت ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ مسلمان جن مقامات پر بہتر حیثیت میں ہیں وہیں وہ جذباتی حرکتیں بھی زیادہ کرتے ہیں۔ کسی آدمی کو پرجوش کارروائی کرنے کے لئے ہمیشہ سماجی پشت پناہی درکار ہوتی ہے اور یہ سماجی پشت پناہی ان مقامات کے مسلمانوں کو باسانی مل جاتی ہے جہاں مسلمان اقتصادی اعتبار سے بہتر ہوں۔ مسلمانوں کے آپس کے جھگڑے اور اختلافات بھی

انھیں مقامات پر زیادہ ہوتے ہیں جہاں انھیں کسی قدر معاشی اعتماد حاصل ہے۔ اسی طرح مسلمان اور غیر مسلمان کا تصادم بھی اکثر انھیں مقامات پر پیش آتا ہے جہاں مسلمان عددی اور اقتصادی اعتبار سے اپنے کو محفوظ سمجھتے ہوں۔

مذکورہ اسلامی ہدایت کی روشنی میں دیکھئے تو فساد کے خلاف ہماری موجودہ تمام سرگرمیاں بالکل عبث قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ یہ ہدایت ربانی کے خلاف ہیں۔ خدا اور رسول کا حکم ہے کہ اپنے آدمی کو ابتدائی شرارت کے وقت پکڑو۔ مگر ہمارے تمام قائدین صرف اس وقت متحرک ہوتے ہیں جب کہ فساد بڑھ کر اپنی عمومی بربادی تک پہنچ چکا ہو۔ ابتدائی چنگاری دینے والے کا ہاتھ پکڑنے کے لئے کوئی نہیں اٹھتا۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ستاتا ہے تو کوئی بھی موقع پر پہنچ کر ظالم مسلمان کا ہاتھ نہیں پکڑتا۔ حالانکہ اس قسم کے مظلوم مسلمان اکثر منفی جذبات کا شکار ہو کر ایسی کارروائیاں کرتے ہیں جس کی سزا پورے معاشرہ کو بھگتنی پڑتی ہے۔ اسی طرح جب ایک غیر مسلم سے شکایت پیدا ہونے پر ایک مسلمان اس کے خلاف تخریبی منصوبہ بناتا ہے۔ جب کچھ مسلمان غیر مسلموں کے سامنے یہ بے معنی مطالبہ لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہماری نماز کے وقت اپنی عبادت گاہ کی گھنٹیاں نہ بجاؤ یا مسجد کے سامنے سے اپنا جلوس نہ لے جاؤ تو ان مواقع پر مسلمانوں میں سے کوئی نہیں اٹھتا جو ایسے سربھرے مسلمانوں کو روکے اور ان کو اس قسم کے "برے" افعال سے باز رکھے۔ البتہ جب ایک شخص کی برائی اپنا ردعمل ظاہر کر کے عمومی تباہی تک پہنچ چکی ہوتی ہے تو ساری مسلم قیادت میدان میں آجاتی ہے اور ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ دوسرے سے آگے بڑھ جائے۔ یہ طریقہ سراسر اسلامی ہدایت کے خلاف ہے اور جو طریقہ اسلامی ہدایت کے خلاف ہو اس کا کوئی نتیجہ خدا کی اس دنیا میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ خدا چاہتا ہے کہ ہم "انفرادی فساد" کے وقت متحرک ہوں مگر ہمارے تمام لیڈر صرف "اجتماعی فساد" کے وقت متحرک ہوتے ہیں۔ یہ خدا کے بتائے ہوئے راستہ کے بجائے خود ساختہ راستہ پر چلنا ہے اور خود ساختہ راستہ پر چلنا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے نہ کہ خدا کی نصرت کو اپنی طرف کھینچنا۔

ہمارے درمیان بے شمار تحریکیں اور جماعتیں قائم ہیں۔ ہر ایک دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا مقصد ہے: فسادات کا سدباب، ملت کا تحفظ، نظام صالح کا قیام، انسانیت کی پیغام رسانی، وغیرہ۔ یہ تحریکیں اور جماعتیں بڑے بڑے جلسے کرتی ہیں، الفاظ کے طوفان برپا کرتی ہیں۔ ان کے میمورنڈم اور بیانات اور تجویزوں سے گدام کے گدام بھر چکے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ لفظی مہم سے کبھی کوئی عملی واقعہ برآمد نہیں ہوتا، یہ سب کچھ جو کیا جاتا ہے فسادات کے بعد کیا جاتا ہے۔ ابتدائی چنگاری کو بجھانے کے لئے ان میں سے کوئی بھی نہیں دوڑتا۔ حالاں کہ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہر جماعت اور تحریک اور تمام اصلاح پسند شخصیتیں اپنے قریبی ماحول میں اپنے بھائیوں کی مسلسل نگرانی کریں۔ جہاں کوئی ایسا واقعہ ہو کہ ایک مسلمان کسی دوسرے پر کسی قسم کی دست درازی کرے، خواہ وہ مسلمان اور مسلمان کے درمیان ہو یا مسلمان اور غیر مسلمان کے درمیان، فوراً کچھ لوگ اس آدمی تک پہنچیں۔ علاقہ کے ذمہ دار لوگوں کو جمع کریں اور اس کی شرارت کو وہیں کا وہیں ختم کر دیں۔ مسلمان اگر ابتدائی موقع پر اس حرکت اور حساسیت کا ثبوت دیں جس کا مظاہرہ وہ فساد کے بعد کرتے ہیں تو فساد کی جڑ کٹ جائے اور کبھی اس ملک میں کوئی فساد نہ ہو۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ فسادات ہمیشہ سازش کے تحت ہوتے ہیں اور یہ سازش کچھ فرقہ پرست اور فسطائی جماعتیں کرتی ہیں۔ ان جماعتوں کا یہی مشن ہے اور اسی مقصد کے تحت انھوں نے اپنے آدمیوں کو تیار کر رکھا ہے۔ بالفرض یہ بات صحیح ہو تب بھی میں کہوں گا کہ یہ دنیا مقابلہ کی جگہ ہے۔ یہاں بہرحال ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے کے خلاف تدبیریں کرے گا۔ اس لئے اصل کام ایسی جماعتوں کا انکشاف کر کے ان کے خلاف چیخ پکار کرنا نہیں ہے بلکہ خاموش منصوبہ کے تحت ان کی کاٹ کے لئے اپنے کو مستعد کرنا ہے۔ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ ہر گروہ کے خلاف اس کا حریف تدبیریں کرتا ہے اور ہر تدبیر کو دانش مندی کے ساتھ ختم کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے لئے ہر طرف میدان خالی ہو اور ان کے خلاف کوئی "سازش" کرنے والا کہیں موجود نہ ہو ان کو خدا کی اس دنیا کو چھوڑ کر کوئی دوسری دنیا اپنے لئے بنانی چاہیے۔ کیونکہ خدا نے اپنی دنیا جس قانون کے تحت بنائی ہے وہاں تو یہی ہوگا۔ پیغمبروں کے لئے بھی خدا نے اس معاملہ میں استثناء نہیں رکھا۔ پھر ہمارے لئے استثناء کیسے ہو سکتا ہے۔

سابق اہل کتاب کی مثال

اب اس سلسلہ میں ایک اور آیت کا مطالعہ کیجئے۔ سورہ بقرہ میں یہود کو خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے :

ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنے لوگوں کو گھر سے بے گھر نہ کرو گے۔ تم نے اس کا اقرار کیا اور تم خود اس کے گواہ ہو۔ پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو۔ ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کر کے ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو۔ پھر اگر وہ تمھارے پاس قیدی ہو کر آتے ہیں تو ان کا فدیہ دے کر چھڑاتے ہو۔ حالانکہ ان کا نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب الٰہی کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور اس کے دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو۔ پس تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہوں اور آخرت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف پھیر دئے جائیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو (بقرہ ۸۵ - ۸۴)

قدیم مدینہ میں دو عرب قبیلے (اوس اور خزرج) آباد تھے۔ اس کے علاوہ کچھ یہودی قبیلے (بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع) تھے جو باہر سے آکر یہاں بس گئے تھے۔ ان یہودی قبائل نے اپنے تعصبات اور قومی اغراض کے تحت عرب قبیلوں سے حلیفانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ عرب قبائل جب باہم لڑتے تو یہودی قبیلے بھی اپنے اپنے مشرک حلیفوں کے ساتھ مل جاتے اور اس طرح دو عرب محاذوں میں شریک ہو کر ایک یہودی قبیلہ دوسرے یہودی قبیلہ سے جنگ کرتا۔ ہجرت نبوی سے چند سال پہلے مدینہ میں جنگ بعاث ہوئی جو مدینہ کے مشرک قبائل کی باہمی جنگ تھی۔ اس جنگ میں یہود کے قبیلہ بنو نضیر اور بنو قریظہ نے اوس کا ساتھ دیا اور بنو قینقاع نے خزرج کا۔ اس طرح اوس اور خزرج کی باہمی جنگ میں خود یہودی بھی باہم ایک دوسرے کے خلاف لڑ پڑے۔

اس قسم کی باہمی مقابلہ آرائی سراسر شریعت الٰہی کے خلاف تھی۔ مگر جب جنگ ختم ہوتی تو دونوں طرف کے یہودی لیڈر "امدادی کام" شروع کر دیتے تاکہ ملت یہود کے لئے جہاد کرنے کا ثواب بھی انھیں مل جائے۔ اس

جاہلانہ معرکہ آرائی میں جب ایک یہودی قبیلے کے لوگ دوسرے قبیلے کے ہاتھ قید ہو جاتے تو مغلوب قبیلہ فدیہ دے کر اپنے دینی بھائیوں کو دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑاتا اور اپنے اس عمل کے لئے تورات کے احکام کا حوالہ دیتا جن میں ایک یہودی پر دوسرے یہودی کی مدد کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ ایسا ہی تھا جیسے ایک شخص کسی مسلمان کو قتل کر دے اور اس کے بعد خدا اور رسول کا نام لے کر اس کی نماز جنازہ ادا کرے۔ قرآن میں اس طرز عمل کی بابت کہا گیا کہ یہ حکم خداوندی کے ایک جزء کو ماننا اور حکم خداوندی کے دوسرے جزء کا انکار کرنا ہے۔ کیوں کہ یہودی خدا کے اس حکم کو تو شوق سے لے رہے تھے کہ ملتِ یہود کے مظلوموں کی مدد کرو مگر اسی خدا کے اس حکم کو وہ اپنی زندگی سے خارج کئے ہوئے تھے کہ ان راستوں پر مت چلو جو ملت کے اندر باہمی ٹکراؤ پیدا کرتے ہیں اور نتیجۃً ملت کے افراد کو مظلوم بناتے ہیں۔ قرآن میں اعلان کیا گیا کہ حکم الٰہی میں اس طرح کی تقسیم کسی کو اللہ کی نظر میں سزا کا مستحق بناتی ہے نہ کہ انعام کا۔

یہی صورت حال آج خود مسلمانوں میں جاری ہے اور نہ صرف کسی ایک ملک میں بلکہ تمام دنیا کی مسلم اقوام پر چسپاں ہوتی ہے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں حکومت کی سطح پر حلیفانہ گروہ بندیاں اور جماعتوں کی سطح پر "متحدہ محاذ" کی سیاست براہ راست طور پر وہی چیز ہے جس کی یہود کے سلسلے میں مذمت کی گئی ہے۔ آج ہر جگہ یہ حال ہے کہ مسلمان غیر مسلم قوموں یا غیر اسلامی طاقتوں کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ مسلم حکومتوں میں کوئی روسی کیمپ سے مل گیا ہے اور غیر روسی کیمپ میں شامل مسلم ملک پر چڑھائی کر رہا ہے اور کوئی امریکی کیمپ سے ملا ہوا ہے اور غیر امریکی کیمپ کے مسلم ملک کو اپنا نشانہ بنائے ہوئے ہے۔ مسلم جماعتوں کا یہ حال ہے کہ کوئی جماعت سوشلسٹ عناصر سے مل کر غیر سوشلسٹ مسلم جماعتوں کے خلاف برسرپیکار ہے اور کوئی جماعت سیکولر عناصر سے مل کر غیر سیکولر کیمپ کی مسلم جماعتوں کے خلاف تخریبی کارروائیاں جاری کئے ہوئے ہے۔ یہی حال ہمارے ملک میں، خاص طور پر الیکشن کے مواقع پر ہوتا ہے۔ کچھ مسلمان حکمراں سیاسی پارٹی سے مل کر اپوزیشن پارٹیوں اور ان سے اتحاد کرنے والے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیتے ہیں اور کچھ مسلمان اپوزیشن پارٹیوں سے مل کر حکمراں پارٹی اور اس سے وابستہ مسلمانوں کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس جاہلی جنگ کے نتیجہ میں جب مسلمانوں کی بربادی سامنے آتی ہے تو ان میں سے ہر ایک ملّی جہاد کے لئے دوڑتا ہے، ہر ایک امدادی کام میں دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتا ہے۔

ہمارے ملک میں ہونے والے فسادات کم از کم وقتی سبب کی حد تک، اکثر انھیں انتخابی محاذ آرائیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مسلمان ان مواقع پر غیر مسلم پارٹیوں کے ساتھ مل کر دو جتھوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک طرف "اَوس" کا سیاسی محاذ ہوتا ہے اور دوسری طرف "خزرج" کا سیاسی محاذ۔ کچھ مسلمان ایک طرف کے محاذ میں شامل ہو جاتے ہیں اور کچھ دوسری طرف کے محاذ میں۔ اور پھر دونوں ایک دوسرے کو ہرانے اور نیچا دکھانے کے لئے اپنی ساری طاقت لگا دیتے ہیں۔ جب الکشن کا معرکہ ختم ہوتا ہے تو وہ صرف جیتنے والوں کے لئے ختم ہوتا ہے۔ ہارنے والوں کے لئے وہ دوبارہ نئی صورت میں شروع ہو جاتا ہے۔ اب ہارے ہوئے لیڈر جیتی ہوئی پارٹی کو بے اعتبار ثابت کرنے اور اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے میدان میں نکل آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہارے ہوئے

لیڈر جو کارروائیاں کرتے ہیں انھیں میں سے ایک فرقہ وارانہ فساد بھی ہے۔

اس لحاظ سے دیکھئے تو فرقہ وارانہ فسادات کے بعد مسلم قائدین کی طرف سے کیا جانے والا امدادی کام اور ملی جہاد براہ راست طور پر قرآن کے ان الفاظ کا مصداق ہے کہ افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض (بقرہ ۸۵) یعنی خدا کے اس حکم کی تم کو پروا نہیں کہ تم اغیار کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی نہ کرو۔ اور جب جاہلانہ محاذ آرائی کے نتیجہ میں فساد رونما ہوتا ہے تو قرآن و حدیث کی تلاوت کرتے ہوئے اعانت مظلومین کے لئے نکل پڑتے ہو۔ یہ حکم خداوندی کی تعمیل نہیں بلکہ سستی لیڈری ہے۔ اور خدا کا انعام کسی کو خدا کے حکم کی تعمیل پر ملتا ہے نہ کہ لیڈرانہ کارروائیوں پر۔

کرنے کا کام

آج مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ فساد یا اغیار کی سازش نہیں ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ فساد اور سازش کو ناکام بنانے کے لئے واقعی طور پر جو کچھ کرنا چاہیے وہ کسی طرح ان کے ذہن کے خانہ میں نہیں بیٹھتا۔ زندگی کے مسائل کا حل خدا نے سنجیدہ غور و فکر اور حقیقت پسندانہ پروگرام میں رکھا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے آج کے مسلمان آخری حد تک دور ہیں۔ وہ ہر دوسرے طریقہ پر بے پناہ سرمایہ اور طاقت خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں مگر حقیقت پسندانہ طریقہ کو زیر عمل لانے کے لئے نہ ان کے پاس پیسہ ہے اور نہ وقت۔ آج ان کا حال وہی ہو رہا ہے جو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ آیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلاً وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلاً ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْھَا غٰفِلِیْنَ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

(اعراف ۱۴۶ - ۴۷)

اور اگر دیکھیں ساری نشانیاں یقین نہ کریں ان کو۔ اور اگر دیکھیں راہ سنوار کی وہ نہ ٹھہرائیں اس کو راہ اور اگر دیکھیں راہ الٹی اس کو ٹھہرائیں راہ۔ یہ اس واسطے کہ انھوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں اور ہو رہے ان سے بے خبر۔ اور جنھوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں اور آخرت کی ملاقات ضائع ہوئیں ان کی محنتیں، وہی بدلا پائیں گے جو کچھ عمل کرتے تھے (ترجمہ شاہ عبد القادر)

جب آدمی جھنجھلاہٹ اور جذباتیت کا شکار ہو جائے تو صرف سطحی باتیں اس کی سمجھ میں آتی ہیں، کوئی گہری بات اس کو اپیل نہیں کرتی۔ یہی آج مسلمانوں کا حال ہے۔ حقیقت پسندانہ طریق کار کے حق میں کتنے ہی کھلے کھلے دلائل دے دئے جائیں۔ مگر وہ ان کے ذہن کا جز نہیں بنتے۔ وہ ایسے راستوں کی طرف تو تیزی سے دوڑ پڑتے ہیں جن کا آخری نتیجہ مزید تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ مگر ایسے راستے جو کامیابی کی طرف لے جانے والے ہوں، ان کو فلسفیانہ اور دور از کار کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک بے خبر انسان کی طرح وہ کبھی اس دیوار سے سر ٹکراتے ہیں اور کبھی اُس دیوار سے۔ ان کی کوششیں اپنے نتیجہ کے اعتبار سے مسلسل بے قیمت ہوتی جا رہی ہیں۔ مگر ان کی آنکھ کسی طرح نہیں کھلتی۔ نئے الفاظ

بول کر وہ دوبارہ انھیں سطحی طریقوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں جو بار بار تجربہ کے بعد اپنی ناکامی ثابت کر چکے ہیں۔

اسی مزاج کا یہ نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کا مسلمان یا تو فراریت کی باتوں کو قبول کرتا ہے یا تصادم کی باتوں کو۔ سارے مسلمان انھیں دو میں سے کسی طریقہ کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ تعمیر و استحکام کا طریقہ کسی طرح ان کے فکری سانچہ میں نہیں بیٹھتا۔ لیکن اگر ہم مزید اپنی قوتیں برباد کرنا نہیں چاہتے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنے اس انداز کو بدلیں اور حقائق کی روشنی میں کوئی نتیجہ خیز پروگرام اپنے لئے بنائیں۔

۱۔ فسادات کو ختم کرنے کے لئے سب سے پہلا ضروری کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو باشعور اور تعلیم یافتہ بنایا جائے تاکہ ان کی جذباتیت ختم ہو، وہ جانیں کہ کس موقع پر انھیں کس قسم کا ردعمل ظاہر کرنا چاہئے۔ فسادات میں مسلمان کروروں روپے چندے دیتے ہیں۔ اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ فساد کا آغاز ہمیشہ ان لوگوں کی کسی حرکت سے ہوتا ہے جو جاہل یا بیروزگار ہیں تو اس قسم کی رقم کا بہترین مصرف یہ ہوگا کہ قوم کے جاہل لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایا جائے اور جو لوگ بے روزگار ہیں ان کو کسی نہ کسی معاشی کام میں مصروف کر دیا جائے۔ قوم کو مشغول اور باشعور بنا کر زیادہ بہتر طور پر فسادات کا سدباب کیا جاسکتا ہے۔ یہ گویا فساد کو اس زمین سے محروم کرنا ہے جس پر اس کا خار دار درخت اگتا ہے۔

۲۔ ہمارے لکھنے اور بولنے والے آج سب سے زیادہ جس کام میں مصروف ہیں وہ یہ کہ قوم کو جذباتیت کی شراب پلائی جائے اور نتیجۃً عوام کے درمیان سستی مقبولیت حاصل کی جائے۔ یہ سلسلہ قطعاً بند ہو جانا چاہئے۔ اس کے بجائے ہمارے قلم اور زبان کی طاقت کو تمام تر اس مقصد پر لگ جانا چاہئے کہ قوم کے افراد میں صبر اور حقیقت پسندی اور باہمی اتحاد کا جذبہ پیدا ہو۔ کسی قوم کی طاقت کا راز یہ ہے کہ اس کے افراد سنجیدہ انداز میں سوچنا جانتے ہوں نہ یہ کہ ان کو پرشور الفاظ کا مظاہرہ کرنے میں کمال حاصل ہو۔

۳۔ ہر جگہ کے مسلمان اس کو اپنی ذمہ داری سمجھیں کہ جب بھی کوئی شخص شرارت کرے، خواہ وہ مسلمان اور مسلمان کے درمیان ہو یا مسلمان اور غیر مسلمان کے درمیان، فوراً موقع پر پہنچ کر شریر کا ہاتھ پکڑ لیا جائے۔ فساد کے اجتماعی سطح پر پھیلنے سے پہلے اس وقت اس کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے جب کہ وہ ابھی انفرادی سطح پر ہوتا ہے اور بآسانی اس کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فسادات ہونے کے بعد شور وغل کرنا جتنا بے معنی ہے اتنا ہی بامعنی یہ ہے کہ فساد سے پہلے انفرادی جھگڑوں اور شکایتوں کو دور کرنے میں طاقت صرف کی جائے۔

۴۔ قوم کے عمل کے جذبہ کو دعوت و تبلیغ کے کام کی طرف موڑنے کی کوشش کی جائے۔ ہر مسلمان اپنے مزاج کے اعتبار سے مجاہدانہ مزاج کا حامل ہوتا ہے۔ یہ ایک مطلوب چیز ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس مجاہدانہ مزاج کا استعمال سیاسی شور وغل اور باہمی اختلافات میں ہو رہا ہے۔ اس مجاہدانہ مزاج کے اظہار کا اصل میدان اللہ کے دین کو پھیلانا ہے اور اس کے لئے پرامن جدوجہد کرنا ہے۔ اگر مسلمانوں کے مجاہدانہ مزاج کو دعوت و تبلیغ کی طرف موڑ دیا جائے تو بیشتر لڑائیاں اور اختلافات اسی طرح ختم ہو جائیں گے جیسے ایک بے کار آدمی اِدھر اُدھر جھگڑتا پھرتا ہو اور اس کے بعد اچانک اس کو ایک اچھا روزگار ہاتھ آجائے اور وہ ساری خرافات کو ختم کر کے اپنے روزگار میں لگ جائے (۲۶ ستمبر ۱۹۸۰)

بھیونڈی کی مثال

مئی ۱۹۸۴ میں بھیونڈی میں اور بمبئی کے علاقہ میں فرقہ وارانہ فساد ہوا۔ اس کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ٹائمس آف انڈیا (۲۱ مئی ۱۹۸۴) نے اپنے صفحہ اول کے اداریہ میں لکھا کہ یہ زمین کے اوپر جہنم بنانے کے ہم معنی ہے:

It is materialisation of hell on earth.

بیان واقعہ

مہاراشٹر کی ایک انتہا پسند تنظیم ہے جس کا نام شیو سینا ہے۔ اس کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے نے ۲۱ اپریل ۱۹۸۴ کو بمبئی میں چوپاٹی کے مقام پر ایک تقریر کی۔ ملک کی کسی نیوز ایجنسی نے اس تقریر کو نشر نہیں کیا۔ اور نہ کسی بڑے اخبار نے اس کی رپورٹ شائع کی۔ بعض مقامی نوعیت کے مرہٹی اخبارات میں اس کی رپورٹنگ ہوئی۔ تاہم یہ بھی زیادہ اشتعال انگیز نہ تھی۔ البتہ بنگلور کے اردو اخبار نشیمن (۵ مئی ۱۹۸۴) نے اس کی جو رپورٹ شائع کی وہ مسلمانوں کے لئے کافی اشتعال انگیز ثابت ہوئی۔ بعد کو بمبئی کے اخبار عالم (۱۳ مئی ۱۹۸۴) نے اس کو تیز و تند سرخیوں کے ساتھ نقل کیا۔ اس کے بعد حسب عادت اردو اخبارات میں اس پر پرشور تبصرے شائع ہونا شروع ہوئے۔ اردو اخبارات کا کہنا تھا کہ بال ٹھاکرے نے قرآن اور پیغمبر اسلام پر توہین آمیز بیانات دئے ہیں جن کو مسلمان برداشت نہیں کر سکتے۔

اس درمیان میں ۳ مئی ۱۹۸۴ کو بھیونڈی میں شیو جینتی کا جلوس نکلا۔ یہ جلوس ۱۹۷۰ میں بھیونڈی کے فساد کے بعد بند کر دیا گیا تھا۔ ۱۴ سال کے بعد شیو سینا کے لیڈروں نے حکومت سے اجازت لینے میں کامیابی حاصل کر لی اور ۳ مئی کو اس کا جلوس نکالا گیا۔ اس جلوس پر مسلمانوں کو اعتراض تھا۔ تاہم حکومت نے اس موقع پر پولیس کا زبردست انتظام کیا اور جلوس خیریت کے ساتھ ختم ہو گیا۔

مسلمانوں کے اندر برہمی کی فضا نے موقع پیدا کیا۔ اب ایک مسلمان لیڈر مسٹر اے آر خان اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی قیادت میں ۱۱ مئی ۱۹۸۴ کو مسلمانوں کا ایک غصہ میں بھرا ہوا جلوس نکلا۔ شیو سینا کے خلاف یہ جلوس پربھنی میں نکالا گیا۔ اس موقع پر جوشیلی تقریریں ہوئیں۔ مزید یہ کہ شیو سینا کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے کی مورت بنا کر اس پر پرانے چپلوں کا ہار پہنایا گیا۔

اسی فضا میں شب برات (۱۶ مئی) کو مسلمانوں نے اسلام کی عظمت کے دن کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا۔ بھیونڈی کی سڑکیں اور گلیاں جن کی گندگی کو ختم کرنے کے لئے مسلمانوں میں کبھی جوش پیدا نہیں ہوا تھا

ان کو سبز جھنڈوں سے پاٹنے کے لئے ان کا اسلامی جوش ابھر آیا۔ جھنڈے کا جہاد یہاں تک پہنچا کہ پر جوش مسلمانوں نے ایک مقام پر جہاں پہلے سے شیوسینا کا جھنڈا لگا ہوا تھا وہاں سبز جھنڈا لہرا دیا جو ان کے خیال کے مطابق اسلامی جھنڈا تھا۔

اسی اشتعال کی فضا میں شیوسینا کے لیڈروں نے ۱۶ مئی ۱۹۸۴ کو "بمبئی بندھ" منایا۔ بمبئی بندھ نے اشتعال کو آخری حد تک پہنچا دیا اور ۱۷ مئی ۱۹۸۴ کو بھیونڈی میں فساد پھوٹ پڑا جو بالآخر تھانہ اور بمبئی وغیرہ کے علاقوں تک پھیل گیا (ضمیمہ ٹائمس آف انڈیا ۳ جون ۱۹۸۴ اور دوسرے اخبارات)

یہ فساد اتنا شدید تھا کہ اندازہ ہے کہ چند دنوں کے اندر ایک ارب روپیہ سے بھی زیادہ کا مالی نقصان ہو گیا۔ جانی نقصان اس کے علاوہ ہے۔ وہ صرف اس وقت رکا جب کہ فوج نے آکر مداخلت کی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس فساد کا نقصان زیادہ تر یک طرفہ تھا۔ حدیث میں مومن کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ ایسا اقدام نہیں کرتا جس سے نمٹنے کی اس کے اندر طاقت نہ ہو اور بالآخر خود ذلیل ہونا پڑے (لیس للمومن ان یذل نفسہ ، ای یعرضھا من البلاء مالا طاقۃ لہ بہ) مگر یہاں مسلمانوں نے ایسا اقدام کیا جس میں وہ چھری کے مقابلہ میں خربوزہ ثابت ہوئے۔ جو مسلمان اس قسم کے غیر مسلمانہ افعال میں مبتلا ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی اسلامیت کو کس خانہ میں رکھا جائے۔

فساد کا جائزہ

اس فساد کا جائزہ لینے کے دو طریقے ہیں۔ ایک قومی طریقہ اور دوسرا اسلامی طریقہ۔ قومی طریقہ وہی ہے جس کا مظاہرہ مسلمانوں کے تمام اصاغر و اکابر ایسے مواقع پر کرتے ہیں اور اس بار بھی کر رہے ہیں۔ اس حادثہ کے بعد مسلمانوں کی تمام زبانیں ایک ہی بات بول رہی ہیں اور ان کے تمام قلم ایک ہی بات لکھ رہے ہیں۔ اور وہ ہے شیوسینا کو (یا انتظامیہ کو) یک طرفہ طور پر تمام بربادیوں کا ذمہ دار قرار دینا۔ قومی طریقہ یہ نہیں دیکھتا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا۔ وہ صرف اپنی قوم اور غیر قوم دیکھتا ہے۔ اور جب بھی اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا ہے تو اپنی قوم کا ساتھ دیتے ہوئے دوسری قوم کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ وہی طریقہ ہے جس کو حدیث میں عصبیت کہا گیا ہے اور عصبیت سراسر باطل ہے۔

دوسرا طریقہ اسلام کا طریقہ ہے۔ اسلام کا طریقہ اصولی ہے نہ کہ قومی۔ اسلامی طریقہ کو جب ہم اس واقعہ پر استعمال کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی شکایت تھی جس پر برہم ہو کر مسلمانوں نے ہنگامہ کیا اور شیوسینا کے لیڈر کی مورت بنا کر اس کو پرانے چپلوں کا ہار پہنایا۔ وہ شکایت مسلمانوں کے بیان کے مطابق، یہ تھی کہ شیوسینا کے لیڈر نے قرآن کو بند کرنے کا مطالبہ کیا اور پیغمبر اسلام

کی شان میں گستاخی کی۔ مگر واقعات بتاتے ہیں کہ یہ الزام سراسر غلط تھا۔ بال ٹھاکرے نے ایسی بات سرے سے کہی نہیں۔

شیوسینا کا لیڈر بمبئی میں موجود تھا۔ مگر نہ مسلمانوں کا کوئی وفد فساد سے پہلے اس سے تحقیق کی غرض سے ملا۔ نہ کسی نے ٹیلیفون کرکے دریافت کیا۔ مسلمانوں کے وہ نام نہاد لیڈر جو فساد کے بعد خوب متحرک ہو جاتے ہیں وہ فساد سے پہلے اس کی تحقیق کے لئے بالکل متحرک نہیں ہوئے۔ جو ہوا وہ صرف یہ کہ بمبئی کی یہ خبر بنگلور کے ایک اردو اخبار میں شائع ہوئی جو سستی صحافت اور سنسنی خیزی کے لئے مشہور ہے۔ بس اس کا اردو اخبار میں چھپنا تھا کہ مسلمانوں نے اس کو بڑھا چڑھا کر نقل کرنا شروع کر دیا اور چند دنوں کے اندر فضا اس قدر گرم ہوگئی جس کا دوسرا نتیجہ لازماً فساد تھا۔

بال ٹھاکرے کا انٹرویو

فساد کے بعد دہلی کے انگریزی میگزین لنک (Link) کے نمائندے نے مسٹر بال ٹھاکرے سے ملاقات کی اور ان سے ایک انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو ٹیپ کی مدد سے میگزین مذکور کی ۳ جون ۱۹۸۴ کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ اس انٹرویو کا ضروری حصہ یہاں ایک صفحہ پر اصل الفاظ میں دیا جا رہا ہے۔

اس انٹرویو میں مسٹر بال ٹھاکرے نے مذکورہ دونوں الزامات کی صحت سے قطعی انکار کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ سراسر غلط ہے کہ میں نے قرآن کو بند کرنے کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے اس سے بھی انکار کیا کہ انھوں نے پیغمبر اسلام کی شان میں توہین آمیز کلمات کہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ انھوں نے کہا کہ میری تقریر کا مکمل ٹیپ موجود ہے۔ کوئی بھی شخص اس کو سن سکتا ہے۔

مسٹر بال ٹھاکرے نے بتایا کہ انھوں نے پیغمبر اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔ اس کے برعکس میں نے پیغمبر صاحب کی تعریف کی اور ان کا ایک واقعہ بیان کیا۔

اس موقع پر مسٹر ٹھاکرے نے جو بات کہی وہ ان کے الفاظ میں یہ تھی ——— میری تقریر کا ٹیپ موجود ہے۔ اس میں ایک لفظ بھی پیغمبر اسلام کے خلاف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ان کی ایک مثال پیش کی تھی۔ وہ یہ کہ ایک بار پیغمبر صاحب اپنے شاگردوں کے ساتھ اپنی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک ہندو وہاں آیا اور مسجد کی ایک دیوار پر تھوک دیا۔ شاگرد چلائے کہ " مارو مارو "، مگر پیغمبر صاحب نے ان کو غصہ ہونے سے روکا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک بالٹی پانی لے کر دھو دیا۔ ہندو یہ دیکھ کر شرمندہ ہوا۔ پیغمبر صاحب نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ دیکھو، یہ طریقہ ہے جس کے ذریعے سے ہمیں لوگوں کے اوپر فتح حاصل کرنا چاہئے۔ مگر آج مسلمانوں میں اس قسم کی برداشت کہاں ہے۔"

Q. Some of the Urdu papers have alleged that you have demanded a ban on Quran.

A. No, this is totally incorrect. I am not anti-Muslim.

Q. It is said that you used derogatory words against Prophet Mohammad.

A. This is another blatant lie. My speeches were tape recorded. There was not a word against the Prophet. Actually I gave his example. This is what I said in my speech: Once the Prophet was sitting in his mosque with his disciples. A Hindu came there and spit on one of the walls of the mosque. The disciples shouted, "Maro, Maro". But the Prophet stopped them from becoming violent. Then he washed the wall with a bucket full of water. The Hindu felt ashamed. And that is how we should win people, he told his disciples. But where is that kind of tolerance in this community now.

Q. It is said that the speeches that you made were inflammatory.

A. It's a matter of interpretation. I wanted to ventilate my grievances. Hindu grievances. If we want to organise a meeting or want to take out a procession, it is prohibited. The Shiv Jayanti procession (in Bhiwandi) was allowed after 14 years . Everyone cares for their (Muslims) feelings. What about our sentiments? As if we don't have any emotions; we are not human beings. As if we are not supposed to discuss our religion. Treat all religions at par. Why mosques alone should have special permission to use loudspeakers? Which religion preaches to disturb somebody? Hindu temples don't use loudspeakers.

Now they (Muslims) are asking for more concessions. It is indeed disturbing. After all this country belongs to us. Whoever wants to stay here can stay as brothers. We're not going to put any restrictions. But to call them minorities and give them special concessions will spoil the very unity of the country. I am not telling anything to my followers. I am not asking them to burn or hate this community. But the way they are working is generating hatred.

Q. How do you think the communal riots can be stopped?

A. Ask them (Muslims) not to attack us. And there will be no retaliation. We do not attack; we only retaliate. We will retaliate if they attack.

Excerpts from interview with the Shiv Sena leader, Bal Thackeray, appeared in the Weekly *Link*, June 3, 1984

شیوسینا کے لیڈر نے جو واقعہ بیان کیا، وہ اصلاً ایک صحیح واقعہ ہے۔ البتہ اس کو بیان کرنے میں ان سے کچھ جزئی غلطیاں ہوگئی ہیں۔ ان غلطیوں کو گستاخی نہیں کہا جاسکتا۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ واقعہ کی صحیح روایت بتا کر ان کی تصحیح کر دیں۔ ذیل میں ہم واقعہ کی اصل روایت درج کرتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال: بال اعرابیٌّ فی المسجد فقام الناس الیہ لیقعوا فیہ۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: دَعُوہ وا ریقوا علی بولہ سجلاً من ماءٍ او ذَنُوباً من ماءٍ فانما بعثتم مُیَسِّرِینَ ولم تبعثوا معسّرین (رواہ البخاری فی کتاب الوضوء)

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا۔ لوگ یہ دیکھ کر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول (یا چند ڈول) ڈال دو۔ کیوں کہ تم آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، تم مشکل پیدا کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔

مسٹر بال ٹھاکرے کا انٹرویو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی بات کہنے میں منافقت کا طریقہ نہیں اختیار کیا ہے بلکہ اپنا خیال صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ ان کو یہ شکایت ہے کہ مسلمان ان کے جلوس پر کیوں اعتراض کرتے ہیں جس کی وجہ سے شیوجینتی کا جلوس چودہ سال تک قانوناً بند رہا۔ اگر مسلمانوں کے کچھ جذبات ہیں تو کیا ہمارے جذبات نہیں ہیں۔ کیا ہم انسان نہیں ہیں۔ ہم اپنے مذہب پر یا اپنی تاریخ پر بولیں تو مسلمانوں کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ وہ مسلمانوں کے دشمن نہیں ہیں مگر مسلمانوں نے جب پاکستان کے نام سے اپنا بٹوارہ کر لیا تو اس کے عین منطقی نتیجہ کے مطابق ہندستان ہندو ملک ہے۔ جو کوئی یہاں رہنا چاہے وہ بھائی بن کر یہاں رہ سکتا ہے۔ ہم کسی پر کوئی پابندی لگانا نہیں چاہتے۔ میں اپنے پیرؤوں سے یہ نہیں کہتا کہ وہ اس فرقہ کو ماریں یا اس سے نفرت کریں۔ مگر مسلمانوں کا جو طریقہ ہے اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ فرقہ وارانہ فساد بند ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان ہمارے خلاف حملہ کرنا چھوڑ دیں اور پھر ان کے خلاف کارروائی نہیں ہوگی۔ ہم حملہ نہیں کرتے ہم صرف بدلہ لیتے ہیں۔ اگر وہ حملہ کریں تو ہم ضرور بدلہ لیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیوسینا کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے نے خود ہمارے رسول کی ایک حدیث یاد دلا کر ہم کو ہر قسم کے فساد پر فتح حاصل کرنے کا قیمتی راز بتایا تھا۔ مگر ذہنی بگاڑ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم نے اس کو بھی اپنے خلاف ایک نیا شدید تر فساد پیدا کرنے کا ذریعہ بنالیا۔ کیسا عجیب ہے یہ طریقہ جس کے مطابق ہم دنیا میں رہنا چاہتے ہیں۔

فساد کی جڑ

مسلمان اس قسم کی نادانیاں کیوں کرتے ہیں. اس کی وجہ ان کی فخر کی نفسیات ہے. مسلمانوں پر جب بھی زوال کا دور آتا ہے تو ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ان کے اندر فخر کی نفسیات پیدا ہوجاتی ہے۔ امت کا زوال دراصل نام ہی اس بات کا ہے کہ دین ان کے یہاں ذمہ داری کی سطح پر نہ رہے بلکہ فخر کی سطح پر پہنچ جائے۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے الجھتے ہیں تو وہ ان کو سلام کرکے الگ ہو جاتے ہیں۔ (الفرقان ۶۳) مگر امت پر جب گراوٹ کا دور آتا ہے تو اس کے اندر بالکل برعکس مزاج پیدا ہوجاتا ہے۔اب اس کے افراد کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کی تعلیمات کا چرچا اپنی بڑائی جتانے کے لئے کرتے ہیں نہ کہ حقیقۃً عمل کرنے کے لئے۔

وہ سر اٹھاکر کہیں گے کہ صرف ہمارا دین ایک ایسا دین ہے جس میں خالص توحید پائی جاتی ہے۔ مگر عین اسی وقت اپنی زندہ اور مردہ شخصیتوں کی پرستش میں مبتلا ہوں گے۔ وہ اس بات پر فخر کریں گے کہ اسلام میں کامل مساوات پائی جاتی ہے مگر اپنے معاملات میں سراسر غیر مساوی سلوک جاری رکھیں گے۔ وہ جوش وخروش کے ساتھ یہ اعلان کریں گے کہ ہمارا دین حکم دیتا ہے کہ تم مفتاح للخیر، مغلاق للشر (بھلائی کا دروازہ کھولنے والے اور برائی کا دروازہ بند کرنے والے) بنو مگر جب خدا کا کوئی بندہ اس حکم کو خود ان کی ذات پر استعمال کرتے ہوئے ان کے کسی غلط رویہ پر تنقید کردے تو وہ ہمیشہ کے لئے اس کے دشمن بن جائیں گے۔

وہ اپنے پیغمبر کے اعلیٰ کردار کو بیان کرتے ہوئے پر فخر طور پر کہیں گے کہ وہ اشتعال کے باوجود مشتعل نہیں ہوئے مگر خود ہر خلاف مزاج بات پر بھپر اٹھیں گے اور کہیں گے کہ جب اشتعال پیدا کیا جائے تو ہم کیسے نہ مشتعل ہوں۔ دوسرے ادیان کو کمتر ثابت کرنے کے وقت وہ زور وشور کے ساتھ کہیں گے کہ ہمارے رسول پر پیغمبری ختم ہوگئی۔ مگر اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو دوسری قوموں تک پہنچانے سے وہ اس قدر غافل ہوں گے جیسے کہ اس کام کے لئے انھیں کسی نئے رسول کی آمد کا انتظار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی نفسیات ہر قسم کے فساد کی اصل جڑ ہے۔ جب دین فخر کا عنوان بن جائے تو اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر وہ مزاج پیدا ہوتا ہے جس کو جھوٹا احساس برتری سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو ہر حال میں صحیح سمجھنے لگتے ہیں اور دوسرے کو ہر حال میں غلط۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ان کا رویہ سراسر غیر حقیقت پسندانہ رویہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ دوسروں کی غلطیوں کا خوب چرچا کریں گے مگر خود اپنی غلطی

ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوں گے۔ وہ اس طرح رہیں گے جیسے کہ انھیں سب کچھ کرنے کا حق ہے۔ اور ان کے سوا جو لوگ ہیں انھیں کچھ بھی کرنے کا حق نہیں۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ اس مزاج کے ساتھ دوسروں کے درمیان رہنا چاہیں وہ کبھی معتدل طور پر دوسروں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ان کا وجود خدا کی زمین پر صرف فساد پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ ان کے ذریعہ یہاں کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اس مزاج کے ساتھ دنیا میں رہنا گویا خدا کی دنیا میں گندگی بکھیرنا ہے جب کہ خدا کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گندگی ہو جائے تو اس کو تحلیل (Decompose) کر کے دوبارہ اس کو پاکی میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس طرح رہنا خدا کی دنیا میں غیر خدائی طریقہ پر رہنا ہے۔ اور جو لوگ خدا کی دنیا میں غیر خدائی طریقہ پر رہنا چاہیں وہ آخر کامیاب ہوں گے تو کس طرح کامیاب ہوں گے۔

قول میں کچھ، عمل میں کچھ

ہندستان کے سیاسی لیڈر اور حکمراں ہمیشہ "دستور ہند" کا قصیدہ پڑھتے ہیں۔ مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو وہ اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ دستور کی تعریف کرنا ہو تو وہ اس کے حوالہ سے سماجی برابری کے خوبصورت الفاظ بولیں گے۔ مگر عملی معاملات میں وہ نابرابری کا سلوک کریں گے۔ دستور کے دفعات کی تشریح میں وہ شاندار طور پر اس کے سیکولر کردار کا تذکرہ کریں گے مگر عمل کے پہلے ہی موقع پر سیکولرازم کو چھوڑ کر قومی جانب داری کا رویہ اختیار کرلیں گے۔ گویا دستور ہند صرف فخر کرنے کے لئے ہے نہ کہ عمل کرنے کے لئے۔

ٹھیک یہی حال موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا ہو رہا ہے۔ مسلمان اپنی تقریروں اور تحریروں میں اسلامی تعلیمات کی عظمت کا قصیدہ پڑھتے ہیں مگر عمل کے وقت وہ جس چیز پر عمل کرتے ہیں وہ ان کا ذاتی مفاد یا ان کی قومی خواہشیں ہوتی ہیں نہ کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات۔ یہی حال آج اصاغرامت کا بھی ہے اور یہی حال اکابرامت کا بھی۔

مسلمان جب اسلام کے عقیدہ توحید پر بولیں گے تو شاندار الفاظ کا دریا بہا دیں گے۔ وہ بتائیں گے کہ اسلام میں ایک خدا کے سوا کسی اور کی پرستش کی گنجائش نہیں۔ مگر عملاً قوم کی قوم کا یہ حال ہے کہ وہ غیراللہ کی پرستش میں مبتلا ہے۔ کوئی کسی بزرگ کی پرستش کر رہا ہے اور کوئی کسی مفکر کی۔ کوئی کسی زندہ شخصیت کو مقدس سمجھے ہوئے ہے اور کوئی کسی مردہ شخصیت کو۔ انسانی عظمت کے تذکروں سے تمام مجلسیں گونج رہی ہیں مگر خدا کی عظمت کا تذکرہ کہیں سنائی نہیں دیتا۔ گویا "توحید" صرف اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے دوسری قوموں پر اپنی نظریاتی برتری ظاہر کرکے فخر کیا جائے۔ جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو مسلمانوں کی عملی حالت بھی تقریباً وہی ہے جو دوسری قوموں کی۔

اسی طرح ہمارے ادیب اور خطیب پرجوش طور پر بیان کریں گے کہ اسلام کے نزدیک خدا بھی ایک ہے اور کتاب بھی ایک اور انسان بھی ایک۔ آفاقی وحدت سے کم کوئی چیز ان کو اسلام کی عظمت گھٹانے کے ہم معنی معلوم ہوگی۔ وہ کہیں گے کہ ہم ایسی صاف اور واضح شریعت کے حامل ہیں جس کی راتیں بھی اس کے دنوں کے مانند روشن ہیں (لیلھا کنھارھا)

بذات خود یہ باتیں یقیناً صحیح ہیں۔ مگر مسلمانوں کے لئے اب وہ صرف کہنے کی باتیں رہ گئی ہیں۔ ان کا عمل دیکھئے تو ہر ایک سراسر اس کے خلاف عمل کرتا ہوا نظر آئے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان آج جتنا

زیادہ اختلاف اور انتشار میں مبتلا ہیں، دنیا کی کوئی قوم اتنے زیادہ اختلاف و انتشار میں مبتلا نہیں مسلمانوں کی حالت دیکھیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ان کے درمیان کوئی مشترک چیز موجود ہی نہیں۔ جیسے کوئی واحد بنیاد ہی نہیں جس پر ان کو متحد کیا جا سکے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام کی وحدت کا لفظ آج مسلمان صرف دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنی برتری ظاہر کرنے کے لیے بولتے ہیں۔ اسلام اب ان کے لئے صرف فخر کرنے کی چیز ہے نہ کہ عمل کرنے کی چیز۔

یہی حال آج مسلمانوں کے تمام قومی اور اجتماعی معاملات کا ہے۔

اس کی ایک واضح مثال اسلام کی وہ تعلیم ہے جو معاہدہ حدیبیہ کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ تمام قائدین اور مفکرین کا یہ حال ہے کہ جب وہ رسول کی سیرت یا قرآن کی تعلیم پر بولتے ہیں تو وہ معاہدہ حدیبیہ کی صابرانہ پالیسی کو زور و شور کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ مکہ کی فتح صلح کے ذریعہ حاصل کی گئی نہ کہ جنگ کے ذریعہ۔ مگر دوسری اقوام سے موجودہ مسلمانوں کے جو جھگڑے ہیں ان میں وہ حدیبیہ کی روح کے سراسر خلاف عمل کرتے ہیں۔ ہر قائد معاہدہ حدیبیہ کی شاندار تفسیر بیان کرتا ہے۔ دوسری طرف ان قائدین اور مفکرین نے موجودہ زمانہ میں سب سے زیادہ جس اسلامی تعلیم کو نظر انداز کیا ہے وہ وہی ہے جس کو معاہدہ حدیبیہ کہا جاتا ہے۔

بطور مثال یہاں ایک مشہور مسلم اخبار کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے اس انگریزی اخبار نے اپنی ۱۴ جولائی ۱۹۸۴ کی اشاعت میں معاہدہ حدیبیہ پر ایک طویل مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں تفصیل کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کے ذریعہ عرب کی فتح کا دروازہ کھلا۔ مضمون کے مطابق، معاہدہ حدیبیہ کا خلاصہ یہ تھا کہ مخالف فریق کی ہر قسم کی اشتعال انگیزیوں کے باوجود یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو ردعمل سے بچا جائے، اور ٹکراؤ کو نظر انداز (Avoid) کرتے ہوئے اپنی مثبت تعمیر کے ذریعہ کامیابی حاصل کی جائے۔ یہاں اخبار کے مذکورہ مضمون کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ حدیبیہ کے واقعات بیان کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتے ہیں:

> During this period, while negotiations were on, the Quraish continued with their efforts in different ways to provoke Muslims to start a fight but the companions all through exercised great self-restraint as directed by their leader and refused to fall into any trap. Once a group of around fifty stealthily approached the camp of Muslims in the night and started pelting stones. Companions of the Prophet who had already been cautioned against reacting to such provocations, kept their cool and simply rounded up them all and produced them before the Prophet who simply let them go (p. 19).

جب بات چیت ہو رہی تھی تو قریش مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے تاکہ دونوں کے درمیان لڑائی شروع ہو جائے۔ مگر اصحاب رسول نے شروع سے آخر تک زبردست صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا جیساکہ ان کے قائد نے انھیں ہدایت کی تھی۔ انھوں نے ان کی کسی بھی چال میں پھنسنے سے انکار کر دیا۔ ایک بار تقریباً ۵۰ آدمیوں کا ایک گروہ چپکے سے مسلمانوں کے پڑاؤ کے پاس رات کے وقت آگیا اور پتھر مارنا شروع کیا۔ رسول کے اصحاب جن کو پہلے سے ہی چوکنا کر دیا گیا تھا کہ وہ اس قسم کی اشتعال انگیزیوں پر برانگیختہ نہ ہوں، وہ بالکل ٹھنڈے بنے رہے اور صرف یہ کیا کہ ان سب کو پکڑ کر رسول اللہ کے سامنے پیش کر دیا جنھوں نے سادہ طور پر بس ان کو رہا کر دیا (صفحہ ۱۹)

معاہدہ حدیبیہ کی اس اسپرٹ کا مذکورہ مضمون میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اشتعال کے باوجود مشتعل نہ ہونے کی یہی حکیمانہ پالیسی تھی جس کے ذریعے عرب میں بے مثال کامیابی حاصل کی گئی۔

مگر یہی اخبار ہے جو ملک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مسائل کے ذیل میں اس کے بالکل برعکس ذہن کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اشتعال انگیز واقعات پر مسلمانوں کے مشتعل ہو جانے کی حمایت کرتا ہے۔

مثال کے طور پر اخبار مذکور کی اشاعت ۹ جون ۱۹۸۴ میں بھیونڈی اور بمبئی کے علاقہ میں ہونے والے فساد پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں پرچہ کے اس واقعہ کا ذکر ہے کہ شیو سینا کے لیڈر مسٹر بال ٹھاکرے کے پیغمبر کی شان میں گستاخانہ الفاظ بولنے پر ایک مسلمان ایم ایل اے مسٹر اے آر خان نے غصہ میں بھرا ہوا جلوس نکالا اور مسلمانوں نے مسٹر بال ٹھاکرے کی مورت بنا کر اس کو پرانے چپلوں کا ہار پہنایا۔

اخبار مذکور یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ احتجاج کا نہایت نازیبا طریقہ تھا۔ مگر اگلے ہی فقرہ میں یہ کہہ کر اس کا جواز فراہم کر دیتا ہے کہ —— مگر ایک شخص کو یہ کہنے سے باز نہیں رکھا جا سکتا کہ اس سلسلہ میں ابتدائی اشتعال شیو سینا کے لیڈر کی طرف سے فراہم کیا گیا تھا:

—the Muslims took out an angry procession on May 11 and a Muslim MLA, Mr. A.R. Khan, in his muddle headedness, garlanded an effigy of Mr. Bal Thackeray with wornout chappals. No level headed Muslim approves of the Congress-I legislator's indecent manner of protest. But one need not strain one's commonsense to conclude that the initial provocation had come from the Shiva Sena chief.

مذکورہ دونوں بیانات میں واضح طور پر تضاد ہے۔ اول الذکر بیان بتاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سنت یہ تھی کہ فریق مخالف خواہ کتنی ہی اشتعال انگیزی کرے ہم اس پر برافروختہ نہ ہوں، بلکہ اس کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مثبت طرز عمل پر قائم رہیں۔ اس کے برعکس دوسرا

بیان یہ کہتا ہے کہ جب اشتعال انگیزی ہوگی تو اس کا ردعمل بھی ضرور ہوگا۔ پیغمبر کی سنت تو یہ کہتی ہے کہ پتھر کا جواب لفظ سے بھی مت دو، مگر اخبار مذکور کے مطابق مسلمان اگر لفظ کا جواب چپل سے دیں تب بھی وہ بالکل حق بجانب ہیں۔ کیوں کہ وہ اشتعال دلانے کے بعد مشتعل ہوئے ہیں!

یہ کسی ایک اخبار کی بات نہیں۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی تمام صحافت وقیادت اسی تضاد میں مبتلا ہے۔ اور یہی وہ تضاد ہے جس نے ہماری تمام کوششوں کو بے نتیجہ بنادیا ہے۔ جب اسلام پر لکھنا یا بولنا ہو تو ہمارا ہر لیڈر اسلام کے حق میں شاندار قصیدہ پیش کرتا ہے مگر جب عملی انطباق کا وقت آتا ہے تو وہ فوراً وہی کرنے لگتا ہے جو قومی خواہشات کا تقاضا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اب مسلمانوں کا "دین" نہیں رہا ہے بلکہ وہ صرف ان کے قومی فخر کا عنوان ہے۔ عمل کے وقت ان کی رہنما ان کی خواہشیں ہوتی ہیں، البتہ جب اظہار فخر کا موقع ہو تو وہ اسلام کی شان میں قصیدہ پڑھ کر اپنی برتری کے جذبات کو تسکین دے لیتے ہیں۔

گویا یہاں مسلم لیڈروں کا کیس وہی ہے جو غیر مسلموں کی مثال میں نظر آتا ہے۔ غیر مسلم لیڈر دستور ہند کے شاندار الفاظ پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ایسا اور ایسا دستور ہے۔ مگر ان کا عمل اس کے سراسر خلاف ہوتا ہے۔ ٹھیک یہی مسلم لیڈروں کا حال بھی ہے۔ وہ قرآن وسنت پر شاندار قصیدہ پڑھ کر اپنے جذبات فخر کو تسکین دیتے رہتے ہیں مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو اس وقت ان کا رہنما یا ان کا ذاتی مفاد ہوتا ہے یا ان کی قومی خواہشات۔

ہمارے قائدین بلاشبہہ خود فساد نہیں کرتے۔ مگر جب ان کی قوم کے جاہل افراد کی نادانی سے کہیں فساد ہوجاتا ہے تو وہ ہمیشہ اس کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ کبھی اپنے لوگوں کو قصور وار نہیں ٹھہراتے جس کی ایک مثال مذکورہ انگریزی اقتباس ہے۔ قائدین کی یہ قومی روش خود انھیں بھی فسادیوں کی فہرست میں شامل کر رہی ہے خواہ بظاہر وہ اس سے الگ دکھائی دیتے ہوں۔

لوگ خدائی مذہب کا نام لیتے ہیں، حالانکہ انھیں قومی مذہب کے سوا کسی اور چیز کی خبر نہیں۔

استحقاق نہ کہ مطالبہ

قرآن میں تمام حقیقتوں کی تفصیل (الانعام ۱۱۴) بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن میں یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ دنیا میں کامیاب زندگی حاصل کرنے کا راز کیا ہے۔ یہ راز ہے نفع بخشی۔ یعنی دوسروں کے لیے نفع بخش بننا۔ اس دنیا میں اسی شخص یا قوم کو باعزت جگہ ملتی ہے جو نفع بخشی کا ثبوت دے۔ جو شخص یا قوم نفع بخشی کا ثبوت نہ دے اس کو دنیا اسی طرح رد کر دیتی ہے جس طرح دودھ سے مکھی نکال کر پھینک دی جائے۔

زندگی کا یہ اصول قرآن کی حسب ذیل آیت میں ملتا ہے:

انزل من السماء ماءً فسالت اودیة بقدرها فاحتمل السیل زبداً رابیاً ومما یوقدون علیه فی النار ابتغاء حلیةٍ او متاعٍ زبدٌ مثله۔ کذالك یضرب الله الحق والباطل فاما الزبد فیذهب جُفاءً واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ کذالك یضرب الله الامثال (الرعد ۱۷)

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر نالے اپنی مقدار کے موافق بہہ نکلے۔ پھر سیلاب خس وخاشاک کو بہا لایا جو پانی کے اوپر ہے۔ اور جن چیزوں کو آگ میں زیور اور سامان کے لیے تپاتے ہیں ان کے اوپر ایسا ہی میل کچیل آجاتا ہے۔ اللہ اسی طرح صحیح اور غلط کو بیان کرتا ہے۔ پس جو میل کچیل تھا وہ پھینک دیا جاتا ہے۔ اور جو چیز لوگوں کے لیے کارآمد ہے وہ زمین میں رہ جاتی ہے۔ اللہ اسی طرح بیان کرتا ہے مثالیں۔

اس آیت میں ایک مادی تمثیل کے ذریعہ انسانی زندگی کا اصول بتایا گیا ہے۔ مادی دنیا میں یہ واقعہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ سیلاب میں یا تپانے کے وقت مفید چیز (پانی یا دھات) اپنی جگہ رہ جاتی ہے اور جھاگ اور میل بے قیمت چیز کی طرح دور ہو جاتے ہیں۔ یہی معاملہ انسانی زندگی کا ہے۔ یہاں بھی اس شخص یا گروہ کو مقام ملتا ہے جو اپنے آپ کو مفید ثابت کرے۔ جو شخص یا گروہ اپنی افادیت کھودے اس کو تاریخ اپنے کوڑا خانہ میں ڈال کر آگے بڑھ جاتی ہے۔

پوری تاریخ اس قرآنی بیان کی تائید کرتی ہے۔ اسپین میں مسلمان ۹۲ھ میں داخل ہوئے اور ۸۹۷ھ میں اسپین سے مسلم حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اس خاتمہ کی اصل وجہ

خود مسلمانوں کا باہمی اختلاف تھا جو اپنی آخری مکروہ شکل تک جا پہونچا تھا۔ تاہم سلطنت کے خاتمہ اور مقامی عیسائیوں کی شدید نفرت کے باوجود اسپین سے مسلمانوں کو نکالنے میں پوری ایک صدی لگ گئی۔ اسپین سے مسلم سلطنت کا خاتمہ نویں صدی ہجری کے آخر میں ہوا۔ مگر مسلمانوں کا آخری قافلہ اسپین سے دسویں صدی ہجری کے آخر میں نکل سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان "ماہرین" پورے اسپین کی صنعت، تجارت اور زراعت پر چھائے ہوئے تھے وہی وہاں کی تعلیم گاہیں، دواخانے اور سماجی خدمت کے ادارے چلا رہے تھے۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں اسپینی باشندوں کی پسماندگی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں نے اسپین میں جو رصدگاہیں چھوڑیں ان کو استعمال کرنا انہیں نہ آتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مجبوراً ان رصدگاہوں کو گرجا کے گھنٹہ گھر میں تبدیل کر دیا۔

یہی معاملہ بیسویں صدی میں مغرب کی استعماری طاقتوں کے ساتھ پیش آیا ہے۔ ان استعماری قوموں کو ایشیا اور افریقہ کے حریت پسندوں نے بے پناہ قربانی کے بعد اپنے ملکوں سے نکالا۔ مگر جب سیاسی انخلاء کا عمل ہو چکا تو معلوم ہوا کہ اپنے علمی اور تمدنی اداروں کو چلانے کے لیے ان کے پاس افراد نہیں ہیں۔ چنانچہ ہر آزاد شدہ ملک میں دوبارہ انہیں مغربی ملکوں سے ماہرین اور فنی اساتذہ درآمد کیے جانے لگے۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہونچی کہ سیاسی آزادی بالآخر ٹکنکل محکومی میں تبدیل ہو گئی۔ آج مغربی ممالک ان ملکوں میں اقتصادی اور سائنسی طور پر چھائے ہوئے ہیں جس طرح اس سے پہلے وہ یہاں سیاسی طور پر چھائے ہوئے تھے۔

ہندستان میں جس طرح مسلمان اقلیت میں ہیں اسی طرح عیسائی بھی یہاں اقلیت میں ہیں۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ اکثریتی فرقہ کو جو شکایات ہو سکتی ہیں وہ سب عیسائی فرقہ کی بابت بھی موجود ہیں۔ اس کے باوجود عیسائیوں کو اس ملک میں وہ مشکلات پیش نہیں آرہی ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ پیش آرہی ہیں:

عیسائیت ایک تبلیغی مذہب ہے اور نہایت منظم طور پر اپنی تبلیغی مہم میں مشغول ہے۔
عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نجات صرف عیسائیت میں ہے، کسی اور مذہب میں نہیں۔
عیسائی اپنے علحدہ تشخص کو قائم رکھنا انتہائی ضروری سمجھتے ہیں۔
عیسائیوں کی ہم مذہب قوم نے باہر سے آکر ہندستان پر حملہ کیا اور وسیع پیمانہ پر اس

اس کا منظم استحصال کیا ۔

عیسائیوں کے ہم عقیدہ حکمرانوں نے ملک کو تقسیم کرنے میں تقسیم پسندوں کا ساتھ دیا ۔

عیسائیوں کی مذہبی وفاداری کا مرکز ہندستان سے باہر واقع ہے ۔

عیسائی مشنریوں پر یہ الزام ہے کہ وہ استعماری طاقتوں کے اگلے دستہ کا کام کرتی ہیں ۔

اس کے باوجود ہندستان میں عیسائیوں کے تمام مفادات پوری طرح محفوظ ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس ملک کے لیے نفع بخش گروہ بنے ہوئے ہیں ۔ وہ اس ملک میں دینے والے ہیں نہ کہ صرف لینے والے ۔

عیسائیوں کی تعداد ہندستان میں دو کرور سے کچھ زیادہ ہے ۔ وہ آبادی کا تقریباً دو فی صد حصہ ہیں ۔ جب کہ مسلمان کم از کم بارہ فی صد حصہ ہیں ۔ مگر دونوں فرقوں میں یہ زبردست فرق ہے کہ عیسائیوں نے اس ملک میں اسپتال ، تعلیم گاہیں اور رفاہی ادارے اتنی بڑی مقدار میں قائم کر رکھے ہیں جو ان کی اپنی آبادی کی ضرورت سے بہت زیادہ ہیں ۔ سرکاری ملازمین اور حکام کی بہت بڑی تعداد عیسائی اداروں کی تعلیم یافتہ ہے ۔ عیسائیوں کے قائم کیے ہوئے اسپتال اس ملک کے بہترین اسپتال سمجھے جاتے ہیں ۔ معذوروں حتیٰ کہ کوڑھیوں تک کی خدمت کے لیے انھوں نے بے شمار ادارے قائم کر رکھے ہیں ۔ وغیرہ ۔

اس کے برعکس مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس ملک میں صرف احتجاج اور مطالبہ کرنے والے گروہ بنے ہوئے ہیں ۔ ان کے پاس خود اپنی قومی ضرورت کے بقدر بھی تعلیم گاہیں اور اسپتال اور رفاہی ادارے نہیں ہیں ۔ کجاکہ وہ ان میدانوں میں دوسرے فرقوں کے خادم بن سکیں ۔

یہ صورت حال قانونِ قدرت کے سراسر خلاف ہے ۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو جس تعصب یا امتیاز کی شکایت ہے وہ خدائی قانون کی بنا پر ہے نہ کہ کسی ظالم کے ظلم کی بنا پر ۔

اس دنیا کا خالق خدا ہے ۔ یہاں وہی ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے کہ ہو ۔ خدا نے پیاس بجھانے کے لیے پانی بنایا ہے اور گاڑی چلانے کے لیے پٹرول ۔ اب آپ کی کامیابی اسی میں ہے کہ آپ پانی کو اپنی پیاس بجھانے کے لیے استعمال کریں ۔ اور جب گاڑی چلانا ہو تو پٹرول کے ذریعہ گاڑی چلائیں ۔ اگر آپ اس کے برعکس عمل کریں یعنی پٹرول سے پیاس بجھانا چاہیں اور پانی سے گاڑی چلانے کی کوشش کریں تو یقینی طور پر آپ ناکام رہیں گے ۔

اس دنیا کو خدا نے مقابلہ کی دنیا بنایا ہے ۔ یہاں ہر ایک کو آزادی ہے ۔ اور ہر ایک

اپنی اپنی محنت اور قابلیت سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ مقابلہ کا اصول خود خدا کا مقرر کیا ہوا ہے، اس کو آپ ختم نہیں کرسکتے۔ آپ کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مقابلہ کے میدان میں اپنی اہلیت کا ثبوت دے کر اپنی جگہ حاصل کریں۔ اگر آپ چاہیں کہ دنیا کا نظام مقابلہ کے بجائے مطالبہ کی بنیاد پر چلنے لگے تو ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ مطالبہ اور احتجاج کی بنیاد پر جینا چاہتے ہوں تو آپ کو خدا کی دنیا کے سوا کوئی دوسری دنیا بنانی پڑے گی۔ موجودہ دنیا میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔

موجودہ دنیا کو خدا نے امتحان گاہ بنایا ہے۔ یہاں ہر شخص کو عمل کی آزادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں ہمیشہ مختلف اشخاص اور مختلف قوموں کے درمیان مقابلہ جاری رہتا ہے مقابلہ اور مسابقت کی یہ فضا کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ خواہ دنیا میں اسلامی حکومت ہو یا غیر اسلامی حکومت۔

اب سوچنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ہے حالات میں گھر کر سوچنا اور دوسرا ہے حالات سے اوپر اٹھ کر سوچنا۔ چونکہ یہ دنیا کبھی ناموافق اسباب سے خالی نہیں ہوسکتی اس لیے جو لوگ حالات میں گھر کر سوچیں ان کی سوچ ہمیشہ شکایتی سوچ رہے گی۔ ان کا فکر ردعمل کی نفسیات کے تحت بنے گا۔ اپنی قوتوں کو بروئے کار لانے کے بجائے وہ بے فائدہ طور پر دوسروں کے خلاف احتجاج کرتے رہیں گے اور بطور خود یہ سمجھیں گے کہ وہ کوئی کام کر رہے ہیں۔

اس کے برعکس جو لوگ حالات سے اوپر اٹھ کر سوچیں ان کو یہ جاننے میں دیر نہیں لگتی کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ قانونِ قدرت کے مطابق ہو رہا ہے نہ کہ ظلم اور تعصب کی بنا پر ہو رہا ہے۔ یہ چیز انہیں حقیقت پسند بنا دیتی ہے۔ ان کی سوچ مطابق واقعہ سوچ بن جاتی ہے۔ وہ حالات کو مان کر اس کے ڈھانچے میں اپنی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کے خلاف چیخ پکار کرنے کے بجائے اپنی محنت سے اپنے آپ کو کامیاب بنانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔

ہندستان کے مسلمان "تعصب" کی اصطلاحوں میں سوچنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اس لیے ان کی پوری سوچ ایسی ہوگئی ہے جیسے کہ کوئی بند کوٹھری میں سوچے۔ اگر وہ "حقیقت پسندی" کی اصطلاح میں سوچنے لگیں تو اچانک وہ محسوس کریں گے کہ وہ ایک کھلی فضا میں پہونچ گئے ہیں پہلی صورت میں ان کو راہیں بند نظر آتی ہیں۔ مگر دوسری صورت میں انہیں ہر طرف راہیں کھلی ہوئی نظر آنے لگیں گی۔

ایک مثال لیجئے ۔ مسلمانوں کو شکایت ہے کہ اردو زبان کے ساتھ اس ملک میں تعصب کیا جاتا ہے ۔ لیکن گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو اردو کا مسئلہ خود اردو کی اپنی کمی کا مسئلہ ہے نہ کہ کسی خارجی تعصب کا مسئلہ ۔ اور وہ یہ کہ اردو زبان موجودہ زمانے میں اپنی اہمیت منوانے میں ناکام رہی ہے یہی وجہ ہے کہ جو مسلم لیڈر اردو زبان کا جھنڈا اٹھاتے ہیں وہ خود بھی اپنے بچوں کو انگلش اسکولوں میں تعلیم دلانا ضروری سمجھتے ہیں ۔

ستمبر ۱۹۵۹ء سے پہلے روسی زبان امریکہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی ۔ مگر اسی مہینہ یہ خبر چھپی کہ روس کا راکٹ (لیونک نمبر ۲) سات ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے خلا میں سفر کرکے ۳۴ گھنٹہ میں چاند پر پہونچ گیا تو اچانک روسی زبان نے علمی دنیا میں زبردست اہمیت حاصل کرلی ۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ روس خلائی ٹکنالوجی میں امریکہ سے آگے نکل گیا ہے ۔ امریکہ کے ماہرین شدت سے محسوس کرنے لگے کہ خلائی ٹکنالوجی میں ان کا مطالعہ اس وقت تک نامکمل ہے جب تک وہ اس موضوع پر روسی زبان میں لکھی ہوئی کتابیں نہ پڑھ لیں ۔ چنانچہ امریکہ میں ایک نیا ذہن شدت سے ابھر آیا ۔ روسی زبان کے تمام سائنسی جرنل امریکہ میں منگائے جانے لگے اور شروع سے آخر تک ان کا انگریزی ترجمہ کرکے انہیں امریکہ میں شائع کیا جانے لگا ۔ آج روسی زبان کی تمام اہم سائنسی کتابیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر یورپ اور امریکہ کی لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں ۔ روسی زبان نے یہ اہمیت احتجاج اور مطالبہ کے ذریعہ حاصل نہیں کی بلکہ استحقاق کا ثبوت دے کر حاصل کی ہے ۔

یہی حال موجودہ زمانہ میں جاپانی زبان کا ہوا ہے ۔ بیسویں صدی کے نصف تک مغربی ملکوں میں جاپانی زبان کی کوئی اہمیت نہ تھی ۔ مگر آج جاپانی زبان میں چھپنے والی سائنسی کتابیں انگریزی زبان میں ترجمہ ہو کر زبردست مقبولیت حاصل کر رہی ہیں ۔ اس کی وجہ الکٹرانکس میں جاپان کی ترقی ہے ۔ جدید مغربی علما یہ محسوس کر رہے ہیں کہ الکٹرانکس میں ان کا مطالعہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس موضوع پر جاپان میں ہونے والی تحقیقات کو نہ پڑھ لیں ۔ جاپانی زبان نے اپنی اہمیت ثابت کرکے مغربی دنیا میں وہ مقام حاصل کرلیا جو اس سے پہلے اس کو حاصل نہ تھا ۔

اردو کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ذخیرہ میں یا تو شعر و شاعری ہے یا خطیبانہ انداز میں لکھی ہوئی کتابیں ۔ اور موجودہ سائنسی دور میں شاعری اور خطابت دونوں ہی اپنا وزن کھو چکے

ہیں ۔ کوئی بھی شعبۂ فن ایسا نہیں ہے جس میں اردو نے اعلیٰ معیار کی کتابیں تخلیق کی ہوں اور لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ اردو کتابیں پڑھے بغیر ان موضوعات پر ان کا مطالعہ مکمل نہ ہوگا۔ فلسفہ ، سائنس تاریخ ، سماجیات ، ٹکنالوجی ، کسی بھی فن پر اردو زبان میں ایسی کتابیں موجود نہیں جن کو نظر انداز کرنا ممکن نہ ہو۔ ایسے علمی افلاس کی حالت میں اردو کو اس کے وارثین بھی اہمیت نہیں دے سکتے کجا کہ ہم دوسروں سے یہ امید رکھیں کہ وہ اس کو اہمیت دیں گے۔

قرآن کی مذکورہ آیت کے مطابق اس دنیا میں زندگی کا راز نفع بخشی ہے یہاں دینے والا پاتا ہے ۔ یہاں اہلیت کا ثبوت دے کر زندگی ملتی ہے نہ کہ مطالبہ اور چیخ پکار کے ذریعہ ۔ دنیا کا یہ نظام خود اس خدا کا بنایا ہوا ہے جس نے دنیا کو تخلیق کیا ہے ۔ جو لوگ خدا کی بنائی ہوئی اس دنیا پر راضی نہ ہوں انہیں اپنی مرضی کے مطابق کوئی دوسری دنیا بنانی چاہیے ۔ خدا کی دنیا میں خدا کی مرضی پر چل کر کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے نہ کہ اپنی مرضی پر چل کر۔

بلند نظری

ایران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فتح ہوا۔ اس وقت ایران کی مسلح افواج کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص تھے۔ ابتدائی جنگ میں ایرانیوں کا کافی نقصان ہوا۔ انھوں نے لڑائی کو اپنے حق میں غیر مفید سمجھتے ہوئے گفت وشنید کی پیش کش کی حضرت سعد اس وقت قادسیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انھوں نے مختلف منتخب افراد کو ایرانی سپہ سالار رستم اور ایران کے بادشاہ یزدگرد کے دربار میں بھیجا۔ مسلمانوں کے یہ نمائندے نعمان بن مقرن فرات بن حیان، حنظلہ بن ربیع، عطارد بن حاجب، اشعث بن قیس، مغیرہ بن شعبہ عمرو بن معدیکرب وغیرہ تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

البدایہ والنہایہ میں ان سفارتوں کی کافی لمبی تفصیل درج ہے۔ آخری مرحلہ میں یہ واقعہ ہوا کہ حضرت مغیرہ اور ان کے ساتھی شہنشاہ یزدگرد کے دربار میں آئے۔ یہ دربار ایران کے قدیم شہر مداین میں تھا۔ وہاں کے زرق برق ماحول سے وہ مطلق متاثر نہیں ہوئے اور بادشاہ اور اس کے درباریوں کے سامنے انتہائی بے خوفی کے ساتھ تقریر کی۔ اس پر یزدگرد برہم ہو گیا۔ اس نے کہا کہ تم فقیر ہو کر شہنشاہِ وقت کے سامنے ایسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر یہ قاعدہ نہ ہوتا کہ ایلچی قتل نہ کئے جائیں تو میں ضرور تم کو قتل کر دیتا۔ تم لوگ واپس جا کر اپنے امیر کو بتادو کہ میں سپہ سالار رستم کی سرکردگی میں ایسا لشکر بھیجنے والا ہوں جو تم سب کو قادسیہ کے خندق میں دفن کر دے گا۔

اس کے بعد یزدگرد نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ایک ٹوکرے میں مٹی بھر کر لاؤ۔ جب مٹی کی ٹوکری لائی گئی تو اس نے مسلمانوں کے وفد سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ تم میں سب سے زیادہ شریف کون ہے۔ وفد کے افراد چپ رہے۔ اس کے بعد عاصم بن عمرو آگے بڑھے اور کہا کہ میں سب سے زیادہ شریف ہوں۔ یزدگرد نے اسلامی وفد کے دیگر ارکان سے پوچھا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی۔ یزدگرد نے حکم دیا کہ مٹی کی ٹوکری عاصم بن عمرو کے سر پر رکھ دی جائے اور ان کو دربار سے نکال کر بھگا دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ مدائن کے باہر چلے جائیں۔

چنانچہ مٹی کی ٹوکری عاصم بن عمرو کے سر پر رکھ دی گئی۔ وہ اس کو لے کر مدائن کے شاہی محل سے نکلے اور اونٹنی پر سوار ہو کر تیزی سے قادسیہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضرت

سعد بن ابی وقاص مقیم تھے۔ وہاں پہونچ کر حضرت سعد کو ساری روداد سنائی گئی اور مٹی کی ٹوکری ان کے سامنے رکھ دی گئی۔ حضرت سعد اس واقعہ پر ذرا بھی برہم نہیں ہوئے۔ انہوں نے اس سے اچھا فال لیا اور فرمایا:

ابشروا فقد واللہ اعطانا اللہ اقالید ملکھم۔ خوش ہو جاؤ کیوں کہ خدا کی قسم اللہ نے ہمیں ان کے اقتدار کی کنجیاں دے دیں۔

یہی وہ بلند نظری تھی جس نے عربوں کو اس قابل بنایا کہ اپنے وقت کے انتہائی ناقابل لحاظ گروہ ہونے کے باوجود وہ اس زمانہ کی عظیم ترین سلطنتوں کے فاتح بنے۔ وہ لوگ جن کو تاریخ کا معمول سمجھ لیا گیا تھا انہوں نے اپنے عمل سے ایک نئی تاریخ پیدا کی۔

دنیا کا نظام کچھ اس طرح بنا ہے کہ یہاں ہر دن کے ساتھ رات ہوتی ہے اور ہر پھول کے ساتھ کانٹا۔ کوئی بھی شخص موجودہ دنیا میں ناخوش گواریوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے موجودہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کا راز صرف یہ ہے کہ آدمی ناموافق حالات کے اندر موافق پہلو دریافت کر سکے۔ وہ ناخوش گوار واقعات سے یقین اور حوصلہ کی غذا لے۔ اس کے سر پر ذلت کی ٹوکری رکھے جائے مگر اس کو نظر آئے کہ رکھنے والوں نے اس کے سر پر عزت کا تاج رکھ دیا ہے۔

مشہور ماہر نفسیات الفرڈ اڈلر (۱۹۳۷ - ۱۸۷۰) کی پوری عمر نفسیاتِ انسانی کے مطالعہ و تحقیق میں گزری۔ عمر بھر کے مطالعہ کے بعد اس نے اپنی اس دریافت کا اعلان کیا کہ انسان کی خصوصیات میں سے ایک انتہائی حیرت ناک خصوصیت اس کی یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے نہیں کو ہے میں تبدیل کر سکے:

Their power to turn a minus into a plus.

یہ نادر خصوصیت ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر موجود ہے۔ وہی افراد اس دنیا میں بڑی کامیابی حاصل کرتے ہیں جو اپنی اس صلاحیت کو استعمال کریں۔ اور جب اس صلاحیت کو استعمال کرنے والا ایک گروہ پیدا ہو جائے تو وہی تاریخ ساز گروہ ہوتا ہے۔ وہ انسانی تاریخ میں ایک دور کو ختم کر کے دوسرا دور لے آتا ہے۔ صحابہ کرام اس فطری صلاحیت کو استعمال کرنے میں ممتاز مقام رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے عمل سے ممتاز ترین تاریخ پیدا کی۔

موجودہ حالات سے مسلمانوں نے ابھی تک صرف منفی سبق لیا ہے چنانچہ وہ احساس

مظلومی (Persecution complex) کی تصویر بن کر رہ گیے ہیں لیکن اگر وہ معاملہ کو زیادہ گہرائی کے ساتھ دیکھ سکیں تو ان مشکل حالات کو وہ اپنے لیے مثبت غذا بنا سکتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی صلاحیت کو استعمال کرکے وہ اپنے نہیں کو ہے میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے ناموافق حالات کو اپنے لیے موافق حالات پیدا کرنے کا زینہ بنا سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے یقینی طور پر ایسا ہونا ممکن ہے۔ شرط صرف بلند نظری کی ہے۔ ایسا بننے کے لیے انہیں مٹی کی ٹوکری کو عزت کے تاج کے روپ میں دیکھنا ہے۔ دوسروں کے خلاف چیخ پکار کے بجائے اپنے چھپے ہوئے امکانات کو دریافت کرنا ہے۔ جن حالات کی ذمہ داری وہ دوسروں کے اوپر ڈالنے کے عادی ہو گئے ہیں ان کی ذمہ داری خود اپنے اوپر لینی ہے۔ جس دن ایسا ہوگا اسی دن اس ملک میں ان کی ایک نئی اور شاندار تر تاریخ کا آغاز ہو جائے گا۔

داعی اور مدعو

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں پر خدا کی طرف سے جو عذاب آتا ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک عذاب مستاصل۔ دوسرے عذاب تنبیہی۔ عذاب مستاصل یعنی قوموں کو بالکل برباد کر دینے والا عذاب زلزلہ اور طوفان کے ذریعہ آتا ہے (العنکبوت ۴۰) اور عذاب تنبیہی عام طور پر بندوں کے ذریعہ یعنی ایک قوم کو دوسری قوم پر چڑھا دینا اور اس طرح انسانوں کے ہاتھوں انہیں سزا دلانا (بنی اسرائیل ۵)

قدیم زمانہ میں یہود پر جو عذاب آئے ان کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کے سب اس طرح آئے تھے کہ کوئی سرکش قوم یا کوئی ظالم حکمراں یہود کے اوپر مسلّط ہو گیا۔ اور وہ ان کی آبادیوں کو اور ان کے مقدس مقامات کو برباد کرتا رہا۔

تنبیہی سزا

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ جو صورت حال پیش آ رہی ہے وہ اسی دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ یقینی طور پر تنبیہی عذاب ہے۔ مگر چوں کہ بظاہر وہ انسانوں کے ذریعہ ہوتا ہوا نظر آتا ہے، اس لئے مسلمان اس کو کسی قوم یا کسی حکمراں کی طرف منسوب کر کے اس کو انسانی ظلم کے خانہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ جو واقعہ خدا کی طرف سے پیش آ رہا ہے اس کو انسانی واقعہ ثابت کرتے میں مشغول ہیں۔

یہ طرز فکر نہ صرف غلط ہے بلکہ وہ مسئلہ کو حل کرنے میں مزید رکاوٹ ہے۔ اس کی وجہ سے تمام مسلم قائدین کی ساری توجہ "ظالموں" کے خلاف چیخ پکار میں لگی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ان کا سبب خدائی فریضہ سے غفلت میں ہے تو خدائی فریضہ کی ادائیگی ہی سے ان کا خاتمہ ہو گا نہ کہ مفروضہ ظالموں کے خلاف شور وغل کرنے سے۔

مسلمانوں کا مسئلہ اس وقت ساری دنیا میں صرف ایک ہے ——— ان کو ان کی مدعو اقوام کے ہاتھوں ستایا جا رہا ہے۔ گویا کہ وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ تم ہماری آخرت کو برباد کر رہے ہو تو ہم تمہاری دنیا کو برباد کریں گے۔ یہ یقینی طور پر مسلمانوں کی دعوتی غفلت کے نتیجہ میں ہو رہا ہے۔ دوبارہ اس صورت حال کا خاتمہ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ مسلمان اپنی دعوتی غفلت کو ختم کریں۔ وہ اقوام عالم کے سامنے خدا کے دین کے داعی بن کر کھڑے ہوں۔ جب تک وہ ایسا نہ کریں گے کوئی بھی دوسری

تدبیران کے مسائل کو حل کرنے والی ثابت نہیں ہو سکتی۔

دعوت سے حفاظت

خدا نے جو رسول بھیجے سب اس لئے بھیجے کہ وہ لوگوں کو خدا کے تخلیقی منصوبہ سے اچھی طرح آگاہ کر دیں۔ تاکہ قیامت میں کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہم کو اس کی خبر نہ تھی (النساء ۱۶۵)۔ یہی دعوت الی اللہ یا شہادت حق پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کا مشن تھا۔ اور ختم نبوت کے بعد یہی وہ خاص مشن ہے جس کے لئے امت محمدی قیامت تک کے لئے مامور ہے (الحج ۷۸)

کسی بھی شخص یا گروہ کی جو اصل حیثیت ہو وہی وہ چیز ہے جس سے اس کی قسمت وابستہ ہوتی ہے۔ قرآن میں واضح لفظوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے (اور آپ کی تبعیت میں آپ کی امت سے) کہا گیا ہے کہ لوگوں کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت کا سارا معاملہ اسی عمل دعوت کی ادائگی سے وابستہ ہے:

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس (المائدۃ ۶۷)

اے رسول، جو تمہارے رب کی طرف سے اترا ہے اسے پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے: ای بلغ انت رسالتی و انا حافظک و ناصرک و مویدک علی اعدائک و مظفرک علیهم فلا تخف و لا تحزن فلن یصل احد منهم الیک بسوء یوذیک۔ یعنی تم میرے پیغام کو پہنچاؤ اور میں تمہارا محافظ ہوں اور تمہارا مدد کرنے والا ہوں اور تمہارے دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری تائید کرنے والا ہوں اور ان پر فتح دلانے والا ہوں۔ تم نہ ڈرو اور نہ اندیشہ کرو۔ ان میں سے کوئی شخص تم تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ تم کو تکلیف دے۔

اس آیت کے مطابق اللہ کے نزدیک اہل ایمان کی قیمت صرف اس وقت ہے جب کہ وہ دنیا کی قوموں تک خدا کا بے آمیز پیغام پہنچانے کا کام کر رہے ہوں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے اہل ایمان کے لئے یہ وعدہ ہے کہ وہ ان کو مخالفین کے ظلم وستم کا شکار نہیں ہونے دے گا۔ تبلیغ ما انزل اللہ کا کام ان کے لئے عصمت من الناس کی ضمانت بن جائے گا۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ دعوت حق کو چھوڑنے کے بعد وہ خدا کی نظر میں بے قیمت ہو جائیں گے اہل ایمان اگر کسی وقت دیگر اقوام کے ظلم وستم کا شکار ہونے لگیں تو اس کی براہ راست وجہ یہ ہوگی کہ خدا کی حفاظت ان سے اٹھ گئی ہے۔ اور حفاظت کے اٹھنے کا سبب یقینی طور پر یہ ہوگا کہ انھوں نے دعوت الی اللہ کے کام کو چھوڑ دیا ہے۔

یہ صورت حال آج نہ صرف ہندستان کے مسلمانوں پر بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں پر صادق آتی ہے۔ آج ساری دنیا کے مسلمان دوسری قوموں کے ظلم اور لوٹ کا نشانہ بن رہے ہیں۔ یہ واقعہ کہیں براہ راست ہو رہا ہے اور کہیں بالواسطہ۔ کہیں ان کے دشمن ان کو خود اپنی طاقت کا مزہ چکھا رہے ہیں۔ اور کہیں انھوں نے مسلمانوں کو دو طبقوں میں بانٹ دیا ہے۔ اور پھر ایک کے مقابلہ میں دوسرے کو مدد دے کر دونوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر وہ وقت آگیا ہے جس کی پیشین گوئی ابو داؤد کی ایک روایت ان الفاظ میں کی گئی تھی:

عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتھا۔ فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ۔ قال انتم کثیر ولٰکنکم غثاء کغثاء السیل۔ ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوھن۔ قال قائل یا رسول اللہ وما الوھن قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت،

(مشکوٰۃ المصابیح، باب تغیر الناس)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ وقت آنے والا ہے کہ قومیں تمھارے اوپر ٹوٹ پڑیں جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالہ پر ٹوٹتے ہیں۔ کسی نے کہا کیا اس وقت ہم تھوڑے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ تم بہت زیادہ ہوگے مگر اس وقت تم سیلاب کے جھاگ کی مانند ہوگے۔ اللہ تمھارے دشمنوں کے سینہ سے تمھارا ڈر نکال دے گا اور تمھارے دلوں میں وہن (کمزوری) ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ وہن کیا ہے۔ آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا۔

دعوتی غفلت

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا دوسری قوموں کا تختۂ مشق بننا اتنا زیادہ ثابت شدہ ہے کہ اس کے بارے میں دو رائے ممکن نہیں۔ البتہ اس کے سبب کے بارہ میں مسلمانوں کی دو رائیں ہیں۔ ان کی بڑی تعداد ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ یہ سب کچھ صرف دوسری قوموں کا ظلم ہے۔ چنانچہ ان کے زبان وقلم ظالموں کے خلاف احتجاج اور شکایت میں مشغول ہیں۔ مگر اس قسم کی توجیہہ قرآن کی تردید کے ہم معنی ہے۔ قرآن کے نظریۂ تاریخ کو رد کرنے کے بعد ہی ایسی توجیہہ کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کو مانتے ہوئے اس کو قبول کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ صورت حال دیگر قوموں کا ظلم نہیں، وہ دیگر قوموں کے ہاتھوں خدا کی سزا ہے۔ یہ سزا (یا تنبیہہ) اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مسلمان اپنے اصل منصبی فریضہ (دعوت

الی اللہ) کے لئے نہ اٹھیں۔

موجودہ زمانہ میں دعوت الی اللہ کے کام کو مسلمانوں نے بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ حتی کہ آج شاید دنیا بھر میں چند آدمی بھی نہیں جن کو دعوت الی اللہ کی اہمیت کا واضح شعور حاصل ہو۔ ان کی بڑی تعداد کا یہ حال ہے کہ یا تو وہ دعوتی کام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ یا وہ خود جس قومی یا تہذیبی احیار کے لئے سرگرم ہیں اسی کو انھوں نے اسلامی دعوت کا نام دے دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آج بھی بہت سے خدا کے بندے اپنے آپ کو اسلام کے سایہ رحمت میں داخل کر رہے ہیں۔ مگر اس میں مسلمانوں کی دعوتی کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ یہ وہ سعید روحیں ہیں جن کو خدا کے فضل خاص سے قبول حق کی توفیق ملی۔ انھوں نے بطور خود صراط مستقیم کو پالیا نہ کہ مسلمانوں کی کوشش سے۔

اس دعوتی غفلت کے ساتھ دوسرا سنگین جرم یہ ہے کہ مسلمان ساری دنیا میں اپنی مدعو اقوام سے سیاسی اور مادی لڑائی چھیڑے ہوئے ہیں۔ اس طرح انھوں نے مدعو کو حریف اور رقیب بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ یہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا ناقابل معافی جرم ہے۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ دوبارہ خدا کی رحمت ان کی طرف متوجہ ہو تو انھیں یک طرفہ طور پر وہ تمام جھگڑے ختم کرنے ہوں گے جنھوں نے مدعو اقوام کو حریف اقوام میں تبدیل کر دیا ہے۔ دوسری قوموں سے حریف اور رقیب کا رشتہ ختم کر کے اپنے اور ان کے درمیان داعی اور مدعو کا رشتہ بحال کرنا اس سلسلہ کا پہلا قدم ہے۔ اس کے بغیر امت مسلمہ کے لئے کسی حقیقی مستقبل کی تعمیر ممکن نہیں۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں سے سب سے بڑی چیز جو کھوئی گئی ہے وہ دعوتی ذہن ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس کو بالکل بھول گئے ہیں کہ غیر مسلم اقوام ہماری مدعو ہیں اور ہم ان کے داعی ہیں۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ بربادی کے جو واقعات پیش آرہے ہیں وہ سب اسی غفلت کی قیمت ہیں۔ یہ واقعات اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک مسلمان اپنی اس کوتاہی کو جاری رکھیں۔ دعوتی کوتاہی اور ملی ترقی دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

نفسیاتی پہلو

فلیویس جوزفس کوک (Flavius Josephus Cook) کا قول ہے کہ خدا انجارت کو اپنا مبلغ بناتا ہے:

God is making commerce his missionary

یہ اس نفسیات کا نہایت صحیح اظہار ہے جو ایک داعی کے اندر اپنے مدعو کے لئے پیدا ہوتی

ہے۔ داعی کے اندر اپنے مدعو کے لئے وہی احساسات پیدا ہوتے ہیں جو ایک تاجر کے اندر اپنے خریدار کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تاجر کی نفسیات تجارتی مفاد کے لئے ہوتی ہے اور داعی کی نفسیات دعوتی مفاد کے لئے۔

داعی اگر واقعۃً داعی ہو، وہ قومی وکیل یا مذہبی مناظر نہ ہو تو بالکل فطری طور پر اس کے اندر اپنے مدعو کے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے اندر یہ مزاج پرورش پاتا ہے کہ وہ اس سے حکمت اور صبر کے ساتھ معاملہ کرے ویسے ہی جیسے ایک دانش مند تاجر اپنے گاہک سے معاملہ کرنے میں ضروری سمجھتا ہے کہ وہ کسی حال میں حکمت اور صبر کا طریقہ نہ چھوڑے۔ تاجر کا رویہ اپنے گاہک کے حق میں گاہک کے رویہ کے ردعمل کے طور پر نہیں بنتا۔ بلکہ خود اپنے سوچے سمجھے ہوئے فکر کے تحت بنتا ہے۔ وہ یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو حسن سلوک کا پابند بناتا ہے، خواہ گاہک اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے یا نہ کرے۔ ٹھیک یہی طریقہ داعی کا بھی اپنے مدعو کے حق میں ہوتا ہے۔

مسلمان اگر دوسری قوموں کو اپنا مدعو سمجھیں تو اس کے بالکل لازمی نتیجہ کے طور پر یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو دوسری قوموں کے حق میں " ناصح اور امین " سمجھیں گے۔ ان کے دل میں دوسری قوموں کے لئے خیر خواہی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ وہ ان کی طرف سے پیش آنے والی تلخیوں کو بخوشی برداشت کریں گے۔ وہ یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار سمجھیں گے کہ ان کی اشتعال انگیز حرکات کو نظر انداز کریں تاکہ دعوت کی فضا برباد نہ ہونے پائے۔

دوسری اقوام کو اپنا مدعو سمجھنے کے بعد ان کی نسبت سے مسلمانوں کے اندر وہی نفسیات پیدا ہوگی جو ایک دانش مند تاجر کے اندر اپنے خریدار کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان ان کے حق میں دعائیں کریں گے۔ وہ ان کی تالیف قلب کے لئے کوشاں ہوں گے۔ وہ ان کی ہدایت کے حریص بن جائیں گے جس طرح پیغمبر اپنے مدعو کے ایمان کے لئے حریص تھا۔ ان کے اندر اشتعال کے بجائے برداشت کا مادہ پیدا ہوگا۔ اس نفسیات اور کردار کا ثبوت دینے کے بعد ان کے حق میں وہ شاندار نتیجہ برآمد ہوگا جس کی قرآن میں خوش خبری دی گئی ہے۔

دشمن دوست بن جاتا ہے

قرآن کی سورہ نمبر ۴۱ (حم سجدہ) کی تین آیتیں اس معاملہ میں رہنما حیثیت رکھتی ہیں۔ ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

اور بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہوسکتی۔ جواب وہ دو جو اس سے بہتر ہو۔ پھر یکایک

تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائیگا جیسے کوئی قریبی دوست۔ اور یہ بات انھیں کو ملتی ہے جو صبر والے ہیں اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جس کی بڑی قسمت ہے۔ اور اگر تجھ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ پکڑو۔ بے شک وہ سننے والا، جاننے والا ہے (حم سجدہ ۳۶ - ۳۴)

ان آیات کی تشریح میں دو تفسیروں کا اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے:

(ولا تستوی الحسنة ولا السیئة) ای فرق عظیم بین هذه وهذه (ادفع بالتی هی احسن) ای من اساء الیك فادفعه عنك بالاحسان الیه کما قال عمر رضی الله عنه: ما عاقبت من عصی الله فیك بمثل ان تطیع الله فیه (فاذا الذی بینك وبینه عداوة کانه ولی حمیم) وهو الصدیق ای اذا احسنت الی من اساء الیك قادته الحسنة الیه الی مصافاتك ومحبتك والحنو علیك حتی یصیر (کانه ولی حمیم) ای قریب الیك من الشفقة علیك والاحسان الیك (وما یلقاها الا الذین صبروا) ای وما یقبل هذه الوصیة ویعمل بها الا من صبر علی ذالك فانه یشق علی النفوس۔ (وما یلقاها الا ذو حظ عظیم) ای ذو نصیب وافر من السعادة فی الدنیا والاخرة۔ قال ابن عباس فی تفسیر هذه الآیة: امر الله المؤمنین بالصبر عند الغضب والحلم عند الجهل والعفو عند الاساءة۔ فاذا فعلوا ذالك عصمهم الله من الشیطان وخضع لهم عدوهم کانه ولی حمیم۔

مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ۳، صفحہ ۲۶۴

قال ابن عباس: ادفع بحلمك جهل من یجهل

اور حسنہ اور سیئہ برابر نہیں ہو سکتے، یعنی اِس کے اور اُس کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ احسن طریقہ سے دفع کرو، یعنی جو شخص تمہارے ساتھ برا سلوک کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرکے تم اس کا جواب دو، جیسا کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا: جو شخص تمہارے ساتھ خدا کی نافرمانی کرے اس کا سب سے اچھا بدلہ یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرو۔ پھر تمہارے ساتھ جس کی عداوت ہے وہ قریبی دوست کی طرح ہو جائے گا، یعنی جب تم ایسا کروگے کہ برا سلوک کرنے والے کے ساتھ تم اچھا سلوک کروگے تو تمہاری اچھائی اس کے اندر محبت اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرے گی۔ یہاں تک کہ وہ تمہارا دوست اور تمہارا مہربان بن جائے گا۔ اور اس کو صرف نصیبہ والے پاتے ہیں، یعنی جو دنیا اور آخرت میں بڑے خوش قسمت ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ غصہ کے وقت صبر کریں، جہالت کے وقت برداشت کریں، اور برائی کے وقت معاف کر دیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ ان کو شیطان سے بچالے گا اور ان کے دشمن کو پست کرکے ان کا دوست بنا دے گا۔

عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو شخص تمہارے ساتھ

علیك (تفسیر القرطبی)

جہالت کرے اس کے جہل کا مقابلہ تم برداشت سے کرو۔

(وإما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ بالله) ای وإن وسوس الیك الشیطان بترك ما امرت به من الدفع بالتی هی احسن وارد ان یحملك علی البطش و الانتقام فاستعذ بالله من کیده وشره (انه هو السمیع العلیم) ای هو السمیع لاقوال العباد، العلیم بافعالهم واحوالهم

اور جب شیطان تمھیں اکسائے تو اللہ سے پناہ مانگو، یعنی احسن طریقہ سے دفع کرنے کا حکم جو تمھیں دیا گیا ہے، اگر شیطان تمھیں اس کو چھوڑنے کے لئے ابھارے اور تم کو اکسائے کہ پکڑو اور انتقام لو تو شیطان کے دھوکے اور شر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ اللہ یقیناً بندوں کے کلام کو سنتا ہے اور وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔

صفوة التفاسیر، جلد ثالث، صفحہ ۱۲۳

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ دوسری قوموں کی طرف سے جو کچھ پیش آرہا ہے۔ اس کی وجہ ایک لفظ میں یہ ہے کہ مسلمانوں نے برداشت کو کھو دیا ہے۔ یہ دراصل اپنی بے صبری کی قیمت ہے جس کو آج مسلمان بھگت رہے ہیں۔ صبر اور برداشت کھونے کا سبب یہ ہے کہ داعیانہ مقصد ان کے سامنے نہیں رہا۔ مسلمانوں کو اگر دوبارہ اٹھانا ہے تو ان کو اس کے لئے تیار کرنا ہوگا کہ وہ دعوت کو اپنا مقصد حیات بنائیں۔ اس کے بعد ہی ان کے اندر وہ محرک پیدا ہوگا جو آدمی کو بلند حوصلہ اور بلند کردار بناتا ہے۔ اور جو قوم بلند حوصلہ اور بلند کردار ہو اس کو کوئی بھی چیز شکست نہیں دے سکتی۔

مسلمانوں کو اگر داعی گروہ کی حیثیت سے اٹھایا جاسکے تو ان کے اندر اپنے آپ حکمت اور صبر کی وہ صفات پیدا ہو جائیں گی جو گویا ہر قسم کے فساد کی قاتل ہیں۔ دعوت الی اللہ کے لئے اٹھنا اپنے آپ کو آخرت کی پکڑ سے بچانا ہے، اور اسی کے ساتھ دنیا کی پکڑ سے بچانا بھی۔

غلط ذہن

دہلی کے ایک مسلم محلہ میں ایک اردو پوسٹر نظر سے گذرا۔ سرخی یہ تھی:

"آگ اور خون میں نہائے ہوئے ہندستانی مسلمان سوال کرتے ہیں"

یورپ کے سفر میں ایک مقام پر میں نے دیکھا کہ ایک پرجوش نوجوان عربی اور انگریزی میں چھپا ہوا ایک کتابچہ تقسیم کر رہے ہیں۔ اس کے صفحہ اول پر یہ الفاظ درج تھے:

"ہندستان جو مسلمانوں کے لئے عظیم مذبح بن چکا ہے"

ہندستان میں جزئی طور پر ضرور ایسے بعض واقعات ہوئے ہیں جن پر مذکورہ بالا الفاظ صادق آتے ہیں۔ مگر پورے ملک کے بارہ میں اس قسم کے الفاظ بولنا سراسر خلاف واقعہ ہے۔ اور جو لوگ خلاف واقعہ بات پر اپنی عمارت کھڑی کرنا چاہیں وہ یقینی طور پر خدا کی مدد نہیں پا سکتے۔

اس طرح سوچنے اور بولنے میں ایک نقصان یہ ہے کہ آدمی کبھی مسئلہ کے صحیح حل تک نہیں پہنچتا۔ "مسئلہ کا حل کیا ہے" اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی یہ جانے کہ "مسئلہ کی نوعیت کیا ہے"۔ مسئلہ کی نوعیت کو جانے بغیر مسئلہ کا حل متعین نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ طرز پر سوچنے والے اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ وہ مسئلہ کی نوعیت دریافت نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں کیسے ممکن ہے کہ وہ مسئلہ کا حل پا سکیں۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ یہ طرز کلام آدمی سے حقیقت پسندی چھین لیتا ہے۔ دنیا کا نظام اس کے پیدا کرنے والے نے کامل حقیقت پسندی کی بنیاد پر قائم کیا ہے۔ یہاں کوئی نتیجہ پیدا کرنے کے لئے اصول فطرت سے کلی مطابقت ضروری ہے۔ ایسی حالت میں جو لوگ دوسروں پر جھوٹا الزام دینے کو اپنا طریق فکر بنائیں وہ یقینی طور پر حقیقت پسندی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا انجام اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ حقیقت کی دنیا میں بے حقیقت ہو کر رہ جائیں۔

اس قسم کی باتیں کرنے والے اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ وہ دو واقعات کو ایک دوسرے سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ ایسے لوگ جہاں بھی ہوں وہ ہمیشہ صرف فساد پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ان کی ایک حکومت یا ان کا ایک بھائی اگر ۹۹ کام صحیح کرے اور اس سے ایک کمزوری ظاہر ہو جائے تو وہ اسی کمزوری کو لے کر ایسا ہنگامہ کریں گے گویا وہ اس کے سوا کچھ اور جانتے ہی نہیں۔

سنجیدہ ہونا ضروری ہے

ایک صاحب اپنے بچوں کے لئے بہت سخت تھے۔ ہمیشہ ڈانٹ کر بات کرتے تھے۔ کبھی کسی نے ان کو اپنے بچوں کے ساتھ نرمی سے بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لڑکے ان سے اس قدر ڈرتے تھے کہ ان کے سامنے کوئی بولنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوتے تو تمام بچے خاموش ہو کر ادھر ادھر دبک جاتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ گھر میں داخل ہوئے۔ سیڑھی کو طے کر کے جب وہ اپنے مکان کی چھت پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کا ایک بچہ بجلی کے پول سے لپٹا ہوا ہے۔ بجلی کے تار میں ایک پتنگ پھنس گئی تھی۔ پتنگ کو حاصل کرنے کے شوق میں لڑکا بارجہ کا سہارا لے کر پول پر چڑھ گیا۔ ابھی اس کا کام پورا نہیں ہوا تھا کہ اس کے باپ آگئے۔ نگاہیں ملتے ہی بچہ سہم گیا مگر بالکل خلاف معمول باپ نے کوئی سخت بات نہیں کہی بلکہ نہایت نرم لہجہ میں بولے "بیٹے تم وہاں کہاں"۔ اس کے بعد انھوں نے محبت کے انداز میں لڑکے کو ترغیب دی کہ وہ آہستہ آہستہ اترے اور بارجہ کا سہارا لے کر دوبارہ گھر میں آجائے۔ بعد کو ایک شخص سے انھوں نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے مسکرا کر اور نرم لہجہ میں اس لئے بات کی کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس نازک موقع پر ڈانٹتا ہوں تو وہ گھبرا اٹھے گا اور پول سے چھوٹ کر نیچے سڑک پر جا گرے گا۔ اس نزاکت نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنی عادت کے خلاف بچہ سے میٹھے انداز میں بات کروں۔

یہی مثال ملی مسئلہ پر بھی چسپاں ہوتی ہے۔ اگر آدمی کو صورت حال کی نزاکت کا احساس ہو اور وہ اس کے لئے دردمند ہو تو اس کی دردمندی خود ہی مجبور کرے گی کہ وہ اشتعال کے بجائے برداشت کا طریقہ اختیار کرے، وہ تصادم کے بجائے بچ کر نکلنے کی تدبیر کرے۔ "کون صحیح ہے اور کون غلط"، کی بحث میں پڑنے کے بجائے وہ مسئلہ کے حل کے پہلو پر دھیان دے۔ اور اگر اس کو نزاکت کا احساس نہ ہو تو وہ اپنی عام عادت کے مطابق "بچہ"، کو پول پر دیکھ کر بگڑ اٹھے گا خواہ اس کا یہی انجام کیوں نہ ہو کہ لڑکا ۳۰ فٹ کی بلندی سے سڑک پر جا گرے اور اس کی ہڈی پسلی چور ہو جائے۔

ساری تاریخ کا یہ تجربہ ہے کہ جب آدمی کسی معاملہ میں سنجیدہ ہو تو اس کا انداز اور ہوتا ہے اور جب وہ سنجیدہ نہ ہو تو اس کا انداز بالکل دوسرا ہوتا ہے۔ کوئی دلیل اس شخص کے لئے دلیل ہے جو سنجیدہ ہو۔ سنجیدہ آدمی ہی کسی بات کے وزن کو محسوس کرتا ہے۔ سنجیدہ آدمی ہی کسی مسئلہ کی نزاکتوں کو اہمیت دیتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص سنجیدہ نہ ہو وہ ہر دلیل کی کاٹ کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ بول دے گا۔ ہر قیمتی بات کو سن کر ایک غیر متعلق بحث چھیڑ دے گا۔ اور اگر اس کی بات کا جواب دے کر بات کو از سر نو واضح کیا جائے تو وہ وضاحت کے خلاف دوبارہ کوئی بحث نکال لے گا۔ اور اصل بات بدستور اس کی گرفت سے دور رہ جائے گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی دلیل اسی کے لئے دلیل ہے جو اس کو سمجھنا چاہے۔ جو سمجھنا نہ چاہے اس کے لئے کوئی دلیل دلیل نہیں۔

ایک مقام کے کچھ مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی۔ وہاں کچھ دن پہلے ایک چھوٹا سا فرقہ وارانہ فساد ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے ذوق کے مطابق "صبر" کا طریقہ اختیار کرنے کی بات کی۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے یہاں تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی اشتعال کا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ دوسری قوم کے لوگ خواہ مخواہ ہم سے لڑ گئے۔ میں نے کہا کہ لڑائی کیسے پیش آئی، انھوں نے قصہ بتاتے ہوئے کہا کہ وہاں ہماری ایک مسجد ہے۔ مسجد سے قریب ہی غیر مسلم بھائیوں کی عبادت گاہ ہے۔ ہم نے مسجد میں اذان کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگایا تو انھوں نے بھی اپنے عبادتی مواقع پر گھنٹی بجانی شروع کر دی جس کی آواز مسجد تک آتی تھی۔ ہم نے سنجیدگی کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ لوگ ہماری نماز کے اوقات میں گھنٹی نہ بجائیں۔ وہ نہیں مانے۔ جب کئی بار ان سے کہا گیا تو وہ بگڑ گئے۔ اس کے بعد جھگڑا ہو گیا۔

میں نے کہا کہ یہ کون سا شرعی مسئلہ ہے کہ نماز کے اوقات میں کوئی غیر قوم کا آدمی اپنی عبادت گاہ میں گھنٹی نہ بجائے۔ یہ نہ کہیں قرآن میں لکھا ہوا ہے اور نہ حدیث میں ہے اور نہ ہمارے فقہاء میں سے کسی کا یہ مسلک ہے۔ حتیٰ کہ اسلامی حکومت کے پورے زمانہ میں کبھی کسی مسلم حکمراں کی طرف سے یہ ہدایت جاری نہیں کی گئی کہ نماز کے اوقات میں دوسری قوموں کے عبادت خانہ میں ناقوس اور گھنٹیاں نہ بجائی جائیں۔ ایسی حالت میں آپ کیوں اس پر برہم ہوتے ہیں۔ کوئی اگر گھنٹی بجاتا ہے تو بجانے دیجئے۔ اس سے نہ نماز میں کوئی خلل واقع ہوتا اور نہ شریعت نے ہمیں ایسے کسی حکم کا مکلف کیا ہے۔ تاہم مذکورہ بزرگ نے میری بات نہیں مانی، ان کے پاس اگرچہ میری دلیل کا کوئی جواب نہیں تھا مگر وہ اپنی بات کو پُرجوش انداز میں بدستور دہراتے رہے۔

اس ملک کے اکثر فسادات اسی قسم کی باتوں سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ جب شریعت نے ہمیں ایسے کسی حکم کا پابند نہیں کیا ہے تو ہم کیوں چاہتے ہیں کہ ہماری مسجد کے سامنے کوئی باجے کا جلوس نہ گزرے۔ کوئی اس کے پاس گھنٹی نہ بجائے۔ اس کی وجہ تمام تر قومی ہے نہ کہ دینی۔ مسلمانوں نے پچھلے سو سال کی سیاست کے نتیجہ میں انھیں چیزوں کو اپنی قومی عظمت کا نشان بنا لیا ہے۔ وہ اس کو اپنی ساکھ کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ مسجد کے پاس ایسا کوئی واقعہ ہو تو وہ اس میں اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس کو روکنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی قوم کی عزت کو اونچا کیا۔

یہ سراسر جاہلانہ طریقہ ہے۔ یہ طریقہ ہم کو خدا اور رسول نے نہیں بتایا۔ بلاشبہ یہ ہم کو نفس نے سکھایا ہے۔ نفس چاہتا ہے کہ ہم اپنے مدعو کے خلاف ایسے ہنگامے کرتے رہیں جس سے ہمارے اور دوسروں کے درمیان قومی نفرت تو خوب بڑھے، مگر داعی اور مدعو کے رشتے کبھی قائم نہ ہوں۔ کیونکہ ایسے ماحول میں جہاں داعی اور مدعو کے درمیان شبہ اور نفرت کی فضا قائم ہو وہاں کبھی اسلام کی دعوت کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی قومی معرکہ آرائی پر ہم کو اللہ کے یہاں انعام تو کیا ملے گا، البتہ شدید اندیشہ ہے کہ ہم اپنی قومی نادانیوں کو اسلام کا نام دینے کی وجہ سے کہیں خدا کی پکڑ میں نہ جائیں۔

کسی کے گھر میں آگ لگ جائے تو وہ اس کو بجھانے کے لئے فوراً حرکت میں آجاتا ہے۔ تاہم ایسے موقع پر حرکت میں آنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ اس دنیا کے مالک نے آگ بجھانے کا جو اصول مقرر کیا ہے اس کے مطابق آگ بجھانے کی کوشش کی جائے۔ دوسرے یہ کہ جوش میں آکر کوئی خود ساختہ حرکت شروع کردی جائے۔ انسان آزاد ہے کہ دونوں میں سے جو عمل چاہے اختیار کرے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ دونوں کا انجام اس دنیا میں یکساں نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے جس آگ کو بجھانے کے لئے پانی چھڑکنے کا قانون مقرر کیا ہے اس کو آپ پٹرول چھڑک کر نہیں بجھا سکتے۔ ایسی ہر کوشش صرف اپنی مصیبت میں اضافہ کے ہم معنی ہوگی۔

یہی معاملہ زندگی کے دوسرے مسائل کا بھی ہے، خدا نے اپنی دنیا میں کامیابی کا راز اگر صبر میں رکھا ہے تو آپ اس کو جلد بازی کے ذریعہ حاصل نہیں کرسکتے۔ خدا نے اگر ایک واقعی نتیجہ کو عملی جدوجہد سے وابستہ کر دیا ہے تو آپ تقریروں اور بیانات کی دھوم مچاکر اس نتیجہ کو اپنے لئے برآمد نہیں کرسکتے۔ خدا نے اس دنیا کے مسائل کا حل اگر حقیقت پسندانہ طریق عمل میں رکھا ہے تو آپ جذباتیت کے طریقہ پر چل کر اپنے مدعا کو نہیں پا سکتے۔ خدا نے اگر افراد کی خاموش تعمیر میں اصلاح کا راز رکھا ہے تو آپ اجتماعی شوروغل کے ذریعہ اصلاح کے مقصد تک نہیں پہنچ سکتے۔ خدا اگر یہ چاہتا ہے کہ آدمی اپنی غلطی کا اعتراف کرکے اپنا کام بنائے تو آپ دوسروں کو ملزم ثابت کرکے اپنا کام نہیں بنا سکتے۔ خدا نے اپنے قائم کئے ہوئے نظام میں اگر یہ اصول مقرر کیا ہو کہ جو لوگ پھول کے مالک بننا چاہتے ہیں وہ کانٹوں سے اپنا دامن بچاکر پھول کو حاصل کرنے کی کوشش کریں تو آپ ایسا نہیں کرسکتے کہ ایک ایک کانٹے سے الجھیں اور اس کے باوجود تروتازہ پھول آپ کے حصہ میں آجائے۔

زندگی کی سب سے زیادہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی بنائی ہوئی دنیا میں نہیں ہیں بلکہ خدا کی بنائی ہوئی دنیا میں ہیں۔ ہم دنیا میں قائم کئے ہوئے خدائی نظام سے موافقت کرکے تو سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں مگر اس کے مقررہ نظام سے ہٹ کر کچھ بھی حاصل نہیں کرسکتے۔ یہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ اس لئے یہاں ہر انسان کو آزادی حاصل ہے۔ مگر یہ آزادی صرف عمل کی آزادی ہے نہ کہ نتیجہ برپا کرنے کی۔ ہم بلاشبہ آزاد ہیں کہ جو چاہیں کریں مگر ہم کو یہ قدرت نہیں دی گئی ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق جو نتیجہ چاہیں ظاہر کردیں۔ ہم آزاد ہیں کہ دریا میں چھلانگ لگائیں یا نہ لگائیں۔ لیکن اگر ہم کو تیرنا نہیں آتا اور ہم گہرے دریا میں چھلانگ لگا دیتے ہیں تو ہم کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اپنے کو ڈوبنے سے بچالیں۔ یاد رکھئے یہ دنیا کسی عذر کو قبول کرنے کے لئے سب سے زیادہ بے رحم واقع ہوئی ہے، خواہ ہم نے اپنے عذر کو کتنے ہی شاندار الفاظ میں مرتب کر رکھا ہو۔

وقت نہیں

ایک ہندستانی نوجوان کو بمبئی پہنچ کر ایک عرب ملازمت کے لئے انٹرویو دینا تھا۔ اس نے ٹرین میں اپنا رزرویشن کرایا اور مقررہ وقت پر گھر سے اسٹیشن کے لئے روانہ ہوا۔ دہلی کی پرہجوم سڑکوں سے گزرتے ہوئے کسی لڑکے نے اس کے رکشا کے اوپر کنکر پھینکا۔ اس کا دوست یہ دیکھ کر بگڑ گیا۔ اس نے چاہا کہ رکشا سے اتر کر لڑکے کو پکڑے اور اس کو اس کی گستاخی کا سبق دے۔ آدمی نے اپنے دوست کو پکڑ کر روک لیا۔ اس نے کہا ——

"ہمارے پاس اس کا وقت کہاں ہے" اور رکشا کو آگے بڑھا دیا۔

آدمی کا مطلب یہ تھا کہ مجھ کو فوراً اسٹیشن سے ٹرین پکڑنی ہے۔ اور پھر بمبئی پہنچ کر اہم انٹرویو دینا ہے۔ ایسے نازک لمحہ میں میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ میں سڑک کے لڑکوں سے الجھوں میں لڑکے کی شرارت پر صبر کروں گا تاکہ میرا بمبئی کا انٹرویو خراب نہ ہونے پائے۔

یہ سنجیدگی جو لوگوں کو دنیا کے بارہ میں ہوتی ہے وہی سنجیدگی مزید اضافہ کے ساتھ مومن کے اندر آخرت کے بارہ میں ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک صحابی کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال انطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حتی سبقوا المشرکین الی بدر وجاء المشرکون فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقدمن احد منکم الی شئی حتی اکون انا دونہ فدنا المشرکون فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوموا الی جنۃ عرضہا السمٰوٰت والارض قال یقول عمیر بن الحمام الانصاری رضی اللہ عنہ یارسول اللہ جنۃ عرضہا السمٰوٰت والارض قال نعم قال بخ بخ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یحملک علیٰ قولک بخ بخ قال لا واللہ یارسول اللہ الا رجاءان اکون من اہلہا۔ قال فانک من اہلہا۔ فاخرج تمرات

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ مشرکین سے پہلے بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ پھر مشرکین آئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کی طرف نہ بڑھے جب تک کہ میں نہ کہوں۔ جب مشرکین قریب آگئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ایسی جنت کی طرف اٹھو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمیر انصاری نے کہا کہ اے خدا کے رسول، ایسی جنت جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ آپ نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا واہ واہ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا۔ انھوں نے کہا کہ اے خدا

من قَرَنِهِ فجعل یاکل منھن ثم قال لئن انا حَیِیتُ حتی اٰکل تمراتی ھذہٖ انھا لحیاۃ طویلۃ فرمیٰ بما کان معہ من التمر ثم قاتلھم حتی قتل (رواہ مسلم)

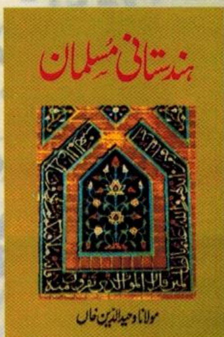
کے رسول، صرف اس امید میں کہ شاید میں بھی اہل جنت میں سے ہو جاؤں۔ آپ نے کہا کہ تم انھیں میں سے ہو۔ اب حضرت عمیر نے اپنی نیام سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان میں سے کھانے لگے۔ پھر انھوں نے کہا کہ اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو یہ بہت لمبی زندگی ہوگی۔ انھوں نے اپنی بقیہ کھجوریں پھینک دیں اور لڑائی میں کود پڑے، یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے۔

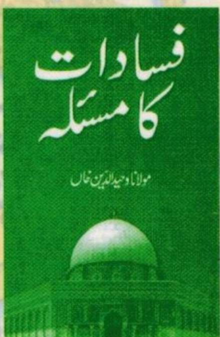
جو شخص دنیا کے معاملہ میں سنجیدہ ہو اس کے پاس غیر متعلق چیزوں میں الجھنے کا وقت نہیں ہوتا اسی طرح جو شخص آخرت کے معاملہ میں سنجیدہ ہو وہ ایسی چیزوں میں الجھنا کبھی پسند نہیں کرے گا جو اس کو آخرت کے نشانہ سے دور کر دے" دہلی" سے امرتسر جانے والا کلکتہ کے رخ پر سفر نہیں کرتا۔ اسی طرح آخرت کا مسافر کبھی ان سمتوں میں نہیں دوڑے گا جو اس کو آخرت کی منزل سے دور کر دینے والی ہو۔

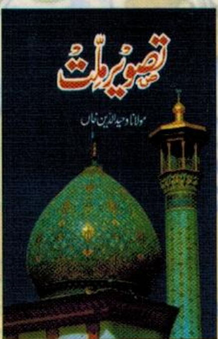
مسلمان اگر اپنے آپ کو دنیا کا مسافر سمجھیں تو ان کے لیے مذکورہ ہندستانی نوجوان کے واقعہ میں نصیحت ہے۔ اور اگر وہ اپنے آپ کو آخرت کا مسافر سمجھیں تو مذکورہ صحابی کے واقعہ میں نصیحت ہے اگر مسلمانوں کا حال یہ ہو جائے کہ وہ نہ پہلے طریقہ پر عمل کریں اور نہ دوسرے طریقے پر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ دنیا کے مسافر ہیں اور نہ آخرت کے مسافر۔ وہ بھٹکے ہوئے اونٹ ہیں جس کی کوئی منزل نہیں۔

مسائل سادہ طور پر صرف مسائل نہیں ہیں، بلکہ وہ چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو چیز اپنی نوعیت کے اعتبار سے چیلنج ہو، اس کے خلاف شکایت کرنا یا اُس سے ٹکراؤ کرنا ہمیشہ غیر مفید ہوتا ہے۔ چیلنج کے مقابلے میں کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ بے لاگ انداز میں اس کا مطالعہ کیا جائے اور حقائق کی روشنی میں اپنے عمل کی تعمیری منصوبہ بندی کی جائے — زندگی کے مسائل کو حل کرنے کا یہی واحد نتیجہ خیز طریقہ ہے۔









ISLAMIC STUDIES
GOODWORD
www.goodwordbooks.com
ISBN 978-81-7898-774-3